صفحات ۴۷۹، قیمت عہ، پتہ :- دارالمصنفین، اعظم گڈھ - (یو - پی)

ہمارے شہر کے نامور شاعر مرزا احسان احمد صاحب بلبلِ چمنستان شبلی کے دیرینہ نوا سنج ہیں، اُن کا اور مولوی اقبال احمد خاں سہیل مرحوم کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے، ایک زمانہ میں ان دونوں کے ذوق سخن کی وجہ سے اعظم گڈھ کی سرزمین شعر و سخن کے ترانوں سے معمور رہتی تھی، مرزا صاحب کے خیالات بلند، ذہن نکتہ سنج، اور ذوق نہایت ستھرا ہے، انھوں نے نہ صرف شعر و سخن کی زمین میں گل بوٹے کھلائے ہیں، بلکہ ادب و تنقید کے میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں، وہ کم کہتے اور کم لکھتے ہیں لیکن جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ ادب و انشا کا دلکش نمونہ ہوتا ہے، انھوں نے گذشتہ نصف صدی کے اندر بہت سے ادبی و تنقیدی مضامین لکھے جو معارف اور دوسرے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہوئے، اب انھوں نے اس کا مجموعہ شائع کیا ہے، جو سولہ مضامین پر مشتمل ہے، مرزا صاحب کے نزدیک غزل گو شاعر کیلئے صاحبِ ذوق فنکار ہونے کے ساتھ حسن و عشق کا عظمت شناس، صاحبِ درد اور بیدار قلب ہونا بھی ضروری ہے، اسی معیار پر انھوں نے ماضی قریب کے اکابر غزل گو شعرائے کے کلام کو جانچا ہے، اور اصغر، جگر، اور سہیل کے محاسن کلام اور فانی کی شاعری کے معائب دکھائے ہیں، مصنف مولانا شبلی، اور مولانا حمید الدین فراہی کے خاص عقیدتمندوں میں ہیں، اس لئے ان دونوں کے فارسی کلام کی خصوصیات اور علامہ شبلی کے تحقیقی کارنامون پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، "اردو شاعری" اور "قدیم مذاقِ سخن کے معائب" میں جدید رجحانات کا خیر مقدم اور فرسودہ اندازِ سخن کی مذمت کی گئی ہے مرزا صاحب کا مذاق تغزل بڑا لطیف ہے، اور وہ نوحہ و ماتم، گور و مرقد، اور سوقیت و ابتذال کو غزل جیسی لطیف اور پاکیزہ صنف سخن میں گوارا نہیں کرتے، اس لئے لکھنؤ اسکول کے طرز پر کم و بیش ہر مضمون میں تنقید کی گئی ہے، اور ایک مضمون نواب جعفر علی خاں اثر کے رد و قدح میں ہے، مصنف کا اصل میدان شعر و سخن ہے، لیکن ایک مضمون مشہور افسانہ نگار ایم اسلم کی افسانہ نگاری کی خصوصیات پر بھی ہے، اب تنقید کا انداز بہت بدل گیا ہے، اسلئے بعض نئے ناقدین کیلئے مرزا صاحب کے بعض آراء و خیالات پر تنقید کی گنجائش نکل سکتی ہے، ادبی حیثیت سے یہ مضامین دلکش اور بصیرت افروز ہیں،

"ض"

جلد ۱۰۴ - ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۹ء - عدد ۵

مضامین

شذرات

مسلم یونیورسٹی کا معاملہ ابتک معلق ہے، اور اس وقت حکومت خود ایسے حالات میں مبتلا ہو کر فی الحال اس طرف توجہ کی امید نہیں، ہم بارہا اس مسئلہ پر اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہیں، اُس وقت ہمارا خطاب حکومت سے تھا، اس مرتبہ یونیورسٹی کے اسٹاف، طلبہ اور ذمہ داروں سے کچھ عرض کرنا ہے، یونیورسٹی کے لیے سب سے بڑا مسئلہ صریح الفاظ میں اس کی ملی خصوصیات اور تہذیبی روایات اور سیکولر اصطلاح میں اقلیتی کردار کے تحفظ کا ہے، اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ خود یونیورسٹی کے اسٹاف اور ذمہ داروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ خود کہاں تک اقلیتی کردار کا نمونہ پیش کرتے ہیں، اسکے بعد حکومت سے اس کے مطالبہ کا حق ہو گا، اقلیتی کردار کے تحفظ کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ یونیورسٹی کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھوں میں اور ان کی اکثریت قائم رہے، اور نام کے مسلمان اس سے حصول جاہ و مال کا فائدہ اٹھاتے رہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ یونیورسٹی میں اسلامی فضا بھی رہے، اس کے احاطہ میں اس کے کسی متوسل کو خواہ وہ کسی درجہ کا ہو، غیر اسلامی اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کی اجازت نہ ہو، اسلامی شعائر کا پورا احترام کیا جائے، اس کے خلاف کوئی چیز نہ ہونے پائے، اس کے بغیر اقلیتی کردار کے تحفظ کا مطالبہ بے معنی ہے، مسلمانوں کا کردار ملحدانہ خیالات اسلامی آداب و اخلاق سے آزادی، کلچرل پروگراموں، عورتوں اور مردوں کے بے باکانہ اختلاط اور بزم شبانہ کی سرمستیوں کا نام نہیں ہے، اگر اقلیتی کردار کا مطلب یہی ہے تو مسلم یونیورسٹی کا ختم ہو جانا بہتر ہے، حیرت اُن لوگوں پر ہوتی ہے جو اسلامی تہذیب و روایات کی بیخکنی بھی کرتے ہیں اور اس کے

نام سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔

~~~

اس صوبہ میں عربی مدارس کے بعد عربی اور فارسی تعلیم کا ذریعہ عربی فارسی اگزامنیشن بورڈ کے امتحانات تھے، ان کی سند ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کالجوں کی عربی و فارسی ٹیچری کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی، اور ان امتحانوں کے پاس شدہ کی خاصی تعداد ان میں کھپ جاتی تھی، ان کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ وہ ہائی اسکول سے لیکر یونیورسٹی تک صرف انگریزی میں امتحان دے کر ان کی سند حاصل کر سکتے تھے، اب یہ دونوں رعایتیں ختم ہو گئی ہیں، اور عربی و فارسی ٹیچری کے لیے بھی بی اے بی ایڈ کی قید ہو گئی ہے، اس کے مقابلہ میں ہندی اور سنسکرت کے شاستری وغیرہ کے امتحانات کے پاس شدہ کو اب بھی یہ سہولتیں حاصل ہیں، جو سراسر انصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس سے عربی و فارسی کی تعلیم کا معیار گر جائیگا، کیونکہ منشی اور فاضل وغیرہ کی عربی و فارسی کی استعداد ان لوگوں سے عموماً بہتر ہوتی ہے جو انٹرمیڈیٹ اور بی اے میں بطور مضمون کے عربی و فارسی پڑھتے ہیں، تیسرے اگر ان کو عربی و فارسی ٹیچری کے حقوق نہیں ملتے تو پھر ان کے امتحانات کون دے گا، اور رفتہ رفتہ یہ محکمہ ہی ختم ہو جائے گا، ہندوستان کے تعلقات تمام عربی اور فارسی ملکوں سے ہیں، اس لیے اب یہاں پہلے سے زیادہ عربی و فارسی کی تعلیم اور اس کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، نہ کہ اس کو ختم کرنے کے اسباب پیدا کیے جائیں، اس لیے منشی اور فاضل وغیرہ کو جو حقوق پہلے حاصل تھے وہ پھر ملنے چاہئیں۔

~~~

اس سال آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کا اجلاس ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کو

دار المصنفین میں ہوگا، کانفرنس کی طرف سے اس کے دعوت نامے جاری ہو چکے ہیں، بڑے شہروں کے اجلاس میں کانفرنس کی شرکت کے علاوہ لوگوں سے ملنے ملانے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں سیر و تفریح کی دلچسپیاں بھی ہوتی ہیں، اس لیے ان کی کشش بھی لوگوں کو کھینچ لاتی ہے، مقامی اصحاب ذوق بھی شریک ہوتے ہیں، اس لیے اچھا اجتماع ہو جاتا ہے، اعظم گڑھ میں دار المصنفین اور کانفرنس کے علاوہ اور کوئی کشش نہیں ہے، اس لیے اس میں شرکت خود شرکاء کے ذوق کا امتحان ہے، اس کی پوری کوشش ہے کہ یہ کانفرنس اجتماع کی حیثیت سے کامیاب رہے، چنانچہ کانفرنس کے دعوت ناموں کے علاوہ خود دار المصنفین سے بھی اصحاب علم کو خطوط لکھے گئے ہیں، ہم کو توقع ہے کہ وہ اپنی شرکت سے اجلاس کو کامیاب بنائیں گے۔

افسوس ہے کہ محمد اجمل خانصاحب ممبر پارلیمنٹ نے طویل علالت کے بعد انتقال کیا، مرحوم پرانے کانگریسی تھے، ان کا وطن الہ آباد تھا، انھوں نے پنڈت جواہر لال کے ساتھ قید و بند کی مصیبتیں جھیلی تھیں، آزادی کے بعد عرصہ تک مولانا ابو الکلام کے سکریٹری رہے، اس زمانہ میں کئی مرتبہ ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا، سیاسی ذوق کے ساتھ صاحب علم و قلم بھی تھے، عربی سے پوری طرح واقف تھے، ان کا خاص موضوع کلام مجید کی نزولی ترتیب تھا، اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے سیرت قرآنی کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سیرت لکھی تھی، ادب و انشاء کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے تھے، غبار خاطر پر انھوں نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ مولانا ابو الکلام کے رنگ میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان کے قلم کا ہے یا خود مولانا ابو الکلام کے قلم کا، وہ اپنے بعض خیالات میں منفرد تھے، لیکن اسلامی حمیت ان میں پوری طرح موجود تھی، بلکہ حالات نے ان کو اور بڑھا دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگذرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

مقالات

حضرت میر علی عاشقانؒ سرائمیری

از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری، اڈیٹر البلاغ بمبئی

ہمارے دیار "شیراز ہند پورب" میں دسویں صدی میں ایک بزرگ حضرت میر سید علی بن قوام الدین سرائمیری جونپوری متوفی ۹۵۰ھ رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں، جو اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہندوستان کے اولیائے کبار اور مشائخ عظام میں شمار کیے جاتے ہیں، ہندوستان و بیرون ہند کے تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ لکھا ہے جنہیں ان کے حالات، واقعات اور اوصاف و کمالات درج کیے ہیں، جنکی تفصیل یہ ہے:-

(۱) سب سے پہلے شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ متوفی ۱۰۵۲ھ نے میر صاحب کے حالات اخبار الاخیار میں لکھے ہیں، جو بعد کے تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ مستند اور مفصل ہیں، شاہ صاحب کے والد شیخ سیف الدین دہلوی متوفی ۹۹۰ھ نے میر صاحب سے ملاقات کی تھی، اور وہ دیار پورب کے مشائخ میں شیخ یوسف چریا کوٹیؒ اور شیخ سلطان بہرائچیؒ سے بھی ملے تھے، شاہ صاحب نے ان بزرگوں کے تذکرہ میں اس کی تصریح کی ہے، شاہ صاحب نے میر صاحب کے حالات اپنے والد کی زبانی اخبار الاخیار میں بیان کئے ہیں، اس لیے بعد کے مورخوں کے مقابلہ میں ان کا بیان سب سے زیادہ مستند ہے۔

(۲) شاہزادہ دارا شکوہ متوفی ۱۰۶۹ھ نے سفینۃ الاولیا، میں میر صاحب کا ذکر کیا ہے، جس کا ماخذ اخبار الاخیار معلوم ہوتا ہے،

(۳) شیخ محمد امین بن فضل اللہ محبی شامی متوفی ۱۰۹۲ھ نے خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں شیخ تاج الدین سنبھلی کے تذکرہ کے ضمن میں ان کے شیخ الشیخ کی حیثیت سے میر صاحب کا حال لکھا ہے جس میں بعض مشائخ کی زبانی میر صاحب کے علو مرتبت اور کشف و کرامت کا بیان ہے، مگر بہت مختصر ہے،

(۴) گذشتہ صدی کے عالم و بزرگ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے جامع کرامات الاولیا میں خلاصۃ الاثر کا بیان نقل کر دیا ہے۔

(۵) شیخ عبد الصمد بن فضل محمد تمیمی انصاری نے اخبار الاصفیا، میں میر صاحب کا تذکرہ کیا ہے جس میں چند نئی اور اہم باتیں ہیں، اس لیے یہ کتاب اخبار الاخیار اور خلاصۃ الاثر کے بعد میر صاحب کے تذکرہ کا تیسرا مستند ماخذ ہے، اخبار الاصفیاء کا قلمی نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے،

(۶) شیخ نظام الدین احمد بن محمد صالح صدیقی نے کرامات الاولیا میں میر صاحب کے تذکرے میں ان کی بعض کراماتوں کا ذکر کیا ہے، جو سب سے الگ اور نئی ہیں، اسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے،

(۷) شیخ سید علی موسوی حیدر آبادی نے مشکوٰۃ النبوۃ میں شیخ قاضن (محمد بن علاء الدین قاضن متوفی ۸۹۲ھ کے ذکر میں ان کے دو اکمل خلفاء میں میر صاحب کا ذکر کیا ہے، مشکوٰۃ النبوۃ کا قلمی نسخہ بھی میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے،

(۸) شیخ محمد بن حسن غوثی منڈوی نے گلزار ابرار (سنہ تصنیف ۱۰۲۲ھ) میں میر صاحب کا تذکرہ کیا ہے جو زیادہ تر ان کے وجد و سکر اور جذب و حال کی کیفیات کے بیان پر مشتمل ہے، اس کا ترجمہ اذکار ابرار میرے سامنے ہے،

(۹) مفتی غلام سرور ہاشمی لاہوری نے خزینۃ الاصفیا، میں میر صاحب کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے، جو زیادہ تر اخبار الاخیار سے ماخوذ ہے،

(۱۰) مولوی امام الدین گلشن آبادی نے تاریخ الاولیا، میں میر صاحب کا حال لکھا ہے، جو اخبار الاخیار کا خلاصہ در خلاصہ معلوم ہوتا ہے،

(۱۱) مولانا سید عبد الحیؒ لکھنوی متوفی ۱۳۴۱ھ نے نزہۃ الخواطر میں میر صاحب کا حال نسبۃً تفصیل سے لکھا ہے جو زیادہ تر شیخ علی عارف کے رسالہ عاشقیہ اور شیخ محبی شامی کی کتاب خلاصۃ الاثر سے ماخوذ ہے، اس کتاب میں میر صاحب کے کئی خلفاء کے حالات درج ہیں،

(۱۲) مولوی حکیم عبد المجید مصطفیٰ آبادی نے سمات الاخیار میں جونپور کے خانوادۂ رشیدی کے حالات میں ضمناً ایک مقام پر حاشیہ میں میر صاحب کے حالات لکھے ہیں جو گویا سفینۃ الاولیا، کی عبارت کا ترجمہ ہے، میر صاحب کے خاندان کے آخری دور کے بعض بزرگوں کا حال بھی لکھا ہے۔

ان ہی کتابوں سے میر صاحب کا یہ تذکرہ مدون و مرتب شکل میں پیش کیا جاتا ہے،

دیار پورب کی دینی و علمی مرکزیت مسلم دور حکومت میں دہلی کے مشرق میں صوبۂ الہ آباد، صوبۂ اودھ اور صوبۂ عظیم آباد پر جو خطہ مشتمل تھا، اس کو ملک پورب کہتے تھے، جس کے قصبات شہروں کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں علماء و مشائخ، امراء و شرفاء کی آبادیاں تھیں اور مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی کثرت تھی، اور یہاں کا ہر قصبہ شہر کے حکم میں تھا،[1]

بلاد پورب میں دینی و علمی شان و شوکت اور ایمانی و روحانی جلال و جمال کی بزم آرائی کی ابتدا بہت پہلے ہو چکی تھی، مگر اس کا شباب سلاطین شرقیہ جونپور (۷۹۶ھ تا ۸۸۱ھ) کے دور میں ہوا اور تیموری بادشاہ محمد شاہ عالم کے زمانہ ۱۱۳۱ھ میں ختم ہو گیا، جونپور کے تیسرے حکمران سلطان ابراہیم شاہ

[1] سبحۃ المرجان ص ۵۳ تذکرہ ملا محمود جونپوری

شرقی کا چالیس سالہ دورِ حکومت (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) بڑا ہی مبارک و مسعود تھا، اس دور میں جونپور دہلی ثانی، دار العلم اور دار الامان کہلاتا تھا[1]، آشوبِ زمانہ سے پریشان حال اہلِ کمال کارواں در کارواں اس دار العلم اور دار الامان میں آکر عیشِ دو روزہ میں غمِ فردا سے آزاد زندگی بسر کرتے تھے، اس کے بعد لودھیوں کے دورِ حکومت (۸۸۱ھ تا ۹۳۲ھ) میں بھی علم و دانش اور فضل و کمال کی یہ بزم سجی رہی، اگرچہ سلاطین شرقیہ کے اقبال کا آفتاب زوال پذیر ہو گیا تھا، مگر ان کے دور کی ایمان و یقین کی شمعیں ہر طرف روشن تھیں، پھر جب زمانہ نے کروٹ لی اور ۹۳۲ھ میں تیموری سلطنت قائم ہوئی تو دیارِ پورب کے چمن علم و فضل میں ایک نئی بہار آئی اور تیموری سلطنت کے دوسرے بادشاہ محمد نصیر الدین ہمایوں کے عہدِ سلطنت (۹۳۶ھ تا ۹۶۳ھ) میں جونپور کی علمی و دینی اقبال مندی نے دیارِ پورب کو شیرازِ ہند بنا دیا، چنانچہ ۹۴۷ھ میں جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری کے مقابلہ میں شکست کھائی، اور ہرات و مشہد کی راہ سے قزوین پہنچ کر شاہ ایران طہماسپ شاہ صفوی سے ملاقات کی تو اس نے پہلی ملاقات میں علمائے جونپور کے بارے میں پوچھا، اور جب ہمایوں کی زبانی یہاں کے علماء و فضلاء کی کثرت کا حال سنا تو اپنے شہر شیراز کی ویرانی پر بڑی حسرت ظاہر کی، ہمایونی دور کے جونپور اور یہاں کے علماء و فضلا کی کثرت کا نقشہ ملا محمد اصفہانی نے سیر الملوک میں ان الفاظ میں کھینچا ہے،

"از مضافاتِ الہ آباد شہریست کہ سلطان فیروز دہلوی آں را در سنہ ہفت صد و ہفتاد و دو ہجری (۷۷۲ھ) بنا نہادہ و بجونپور موسوم ساختہ، در عہد سلاطین شرقیہ دار السلطنت شدہ، عمدہ مدارس و مساجد در شہر و حوالی آں معمور شدند۔

[1] طبقات اکبری ص ۵۲۸ و تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶

علماء و فقراء از اقالیم دور دراز دراں بلدہ رسیدہ، سلاطین و حکام برائے ہر یکے وظائف دادتمغا۔ جاگیر بخشیدہ، شہنشاہ ایران طہماسپ از امیر ہمایوں در نخستین ملاقات از فضلائے جونپور پرسیدہ، و بادراک کثرت و انبوہ علماء دراں دیار بر ویرانی شہر شیراز آہ حسرت کشیدہ۔"[1]

اس دور میں دیار پورب میں بہت سے علماء و مشائخ کے علمی و دینی خانوادے رشد و ہدایت کے گہوارے تھے، اور مختلف ملکوں کے طالبین و مسترشدین ان سے فیضیاب ہوتے تھے، انہی میں اس دیار کے مشہور بزرگ حضرت شیخ میر سید علی بن قوام الدین سہر المیری جونپوری متوفی ۹۵۰ھ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جن کو میر علی عاشقاں بھی کہتے ہیں، اور جو اپنے اگلے پچھلے دور کے لیے واسطۃ العقد کی حیثیت رکھتے ہیں، آیندہ صفحات میں انہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نام و نسب اور خاندانی حالات عام تذکرہ نویسوں نے میر صاحب کا سلسلۂ نسب بیان نہیں کیا ہے، کسی نے ان کا نام سید علی قوام[2]، کسی نے میر سید علی قوام الدین[3]، اور کسی نے سید علی بن قوام الدین لکھا ہے[4]، کرامات الاولیاء میں میر سید قوام ہے، جو کاتب کی غلطی ہے[5]، البتہ نزہۃ الخواطر میں میر صاحب کے دادا سید سعید بن محفوظ کے ذکر میں جو سلسلۂ نسب درج ہے، اس سے ان کا نسبی سلسلہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، میر سید علی بن قوام الدین بن سعید بن محفوظ بن حسین بن عبد المجید بن نعمان بن حمزہ بن حسین بن ابو بکر بن عمر بن احمد حسینی ترمذی، لاہوری، سوالنری جونپوری، سہر المیری،[6]

[1] جونپور نامہ قلمی ص ۴ از مولوی خیر الدین محمد الہ آبادی، مملوکہ دار المصنفین [2] اخبار الاخیار ص ۲۲۱ مطبع ہاشمی و خزینۃ الاولیاء ج ۱ ص ۴۰۲ مطبع ثمر ہند لکھنؤ، و سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۰ مطبع نولکشور، و تاریخ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۸ مطبع فتح الکریم بمبئی [3] اخبار الاصفیاء قلمی ص ۹۵، [4] خلاصۃ الاثر ج ۱ ص ۶۸ مطبع مصر و جامع کرامات الاولیاء ج ۲ ص ۸ مطبع مصر، و نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۴۴ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد [5] کرامات الاولیاء ص ۱۶۲ [6] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۱

مقامات کی نسبتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب کے آباء و اجداد ترمذ اور لاہور سے ہوتے ہوئے پہلے سرہند کے قریب مقام سوانہ میں آباد ہوئے، یہ خاندان سوانہ میں کب آیا اور کب آباد ہوا؟ اسکا پتہ نہیں چلتا، البتہ میر صاحب کے دادا سعید بن محفوظ کا مولد سوانہ ہے[۱]، جس سے پتہ چلتا ہے کہ انکے پردادا محفوظ بن حسین یا ان سے پہلے کوئی بزرگ یہاں آئے ہوں گے، بعد میں یہ خاندان سادات سوانہ کے لقب سے مشہور و متعارف ہوا، اخبار الاخیار میں ہے "او در اصل از سادات سوانہ است" (ص ۲۱۲)۔ اسی قسم کی عبارت خزینۃ الاصفیاء (ج ۱ ص ۴۲۳)، اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار (ص ۲۰۹) اور تاریخ الاولیا (ج ۲ ص ۲۳۸) میں ہے اور سفینۃ الاولیاء میں مزید تشریح کے ساتھ درج ہے: "از سادات سوانہ کہ در نزدیکی سرہند است۔" (ص ۱۹۰)، اخبار الاصفیاء میں صرف "از سادات بزرگ" ہے (۹۵)

میر صاحب کی جائے ولادت کے بارے میں عام تذکرہ نگار خاموش ہیں، البتہ صاحب اخبار الاصفیاء نے تصریح کی ہے کہ ان کا مولد سوانہ ہے[۲]، خلاصۃ الاثر میں مسکن و مدفن کی طرح مولد بھی جونپور لکھا ہے[۳] جو صحیح نہیں ہے کہ میر صاحب کا سنہ پیدائش بھی معلوم نہیں ہے، مگر اس کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے ان کے پہلے مرشد و مربی حضرت قاضن کی وفات ۸۹۲ھ میں ہوئی، اور ان کی خدمت میں حاضری سے پہلے وہ دہلی میں یا کسی اور جگہ کچھ دنوں رہ چکے تھے، ظاہر ہے کہ شیخ قاضن کے یہاں ان کی حاضری ۸۹۲ھ سے پہلے ہوئی ہوگی، اگر اسے ۸۹۰ھ میں مان کر ان کی عمر اس وقت بیس سال کی مان لیجائے تو پیدائش ۸۷۰ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی،

آپ کے والد سید قوام الدین سوانہ کے مشہور اصحاب علم و فضل میں تھے، اپنے والد شیخ سعید ابن محفوظ سے تحصیل علم کی تھی، اور ان کو علم و فضل سے حصہ وافر ملا تھا، سنبھل کے قریب کسی مقام پر

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۰ [۲] اخبار الاصفیاء ص ۹۷ [۳] خلاصۃ الاثر ج ۱ ص ۴۶۸

امیر یا حاکم تھے۔ جہاں آپ کو قتل کر دیا گیا اور جوگی پور نامی گاؤں میں دفن کیے گئے، اس وقت میر صاحب بچے تھے، یتیمی کے بعد ان کی پرورش ان کے چچا محمد بن سعید نے کی،[۱]

میر صاحب کے دادا شیخ سعید بن محفوظ نویں صدی کے صلحاء و مشائخ میں تھے، سوانہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی، طریقت و روحانیت کی تعلیم و تلقین شیخ صدر الدین راجو قتال متوفی ۸۲۷ھ اور شیخ بدیع الدین مدار سے پائی تھی، سوانہ سے پیدل مکہ معظمہ گئے، اور سات حج کرنے کے بعد اسی بقعہ مبارکہ میں انتقال فرمایا،[۲]

میر صاحب کی یتیمی اور چچا کی پرورش کے دور میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کو خاندانی علم و فضل سے کوئی حصہ مل سکا یا نہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں کوئی خاص تعلیم و تربیت نہ ہو سکی، بلکہ سوانہ سے نکلنے کے بعد آپ نے تحصیل علم کی،

دہلی، بہار، جونپور اور نظام آباد میں طلب علم و معرفت

میر صاحب نواح دہلی کے رہنے والے تھے، مگر آپ کی تعلیم و تربیت دیار پورب میں ہوئی، جہاں سلاطین شرقیہ کی بزم دو نشین کے علم و فضل کے چراغ ابتک روشن تھے، دہلی میں لودھیوں کی نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی اور وہاں کے ارباب علم و فضل ایک گونہ انتشار کے شکار تھے، اس لیے آپ نے پورب کا رخ کیا، اور یہیں کے ہو رہے، اخبار الاخیار میں ہے "در اوان طلب بجانب جونپور افتاد (ص ۲۱۲) سفینۃ الاولیاء (ص ۱۹۰) اور گلزار ابرار کے ترجمہ (ص ۲۰۹) میں بھی یہی ہے، اخبار الاصفیاء میں ہے کہ "او ابتدائے حال در تعلقیان بسر می برد" (ص ۹۵)، نزہۃ الخواطر میں ہے کہ میر صاحب سوانہ سے دہلی گئے اور کچھ دنوں وہاں رہ کر علماء و مشائخ سے کسب فیض کیا (ج ۴ ص ۲۴۴)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عہد شباب میں دہلی گئے، اور وہیں کسی امیر کبیر کے دربار میں

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۴۴ [۲] خلاصۃ الاثر ج ۱ ص ۴۶۸

ملازم ہوگئے، اور وہاں کے بعض علماء و مشائخ سے بھی تعلق قائم کیا، مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک خاص واقعہ سے متاثر ہو کر راہ طلب میں دیار پورب کی طرف نکل کھڑے ہوئے، دہلی میں آپ کی آمد ۸۹۵ھ سے بہت پہلے ہوئی ہوگی، اس وقت سلطان بہلول لودھی متوفی ۸۹۴ھ کی حکومت تھی، اس سلسلہ میں صاحب اخبار الاصفیاء نے تفصیل سے کام لیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ میر صاحب ابتدائے حال میں درباریوں سے منسلک ہوگئے، ایک دن آقا کے دربار میں حاضر ہوئے اور باریابی کی اجازت چاہی مگر اجازت نہ مل سکی، اس واقعہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اور اسی وقت آپ کے دل میں تعلق مع اللہ کا شدید داعیہ پیدا ہوگیا، اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آج تم جس امیر کی خدمت میں لگے رہتے ہو جب اسکے دربار میں تم کو باریابی کی اجازت نہیں ملی تو کل مالک حقیقی کے دربار میں باریابی کی اجازت کیسے مل سکتی ہے، اس حال میں کہ تم اس کی اطاعت و فرمانبرداری بھی نہیں کرتے ہو، یہ سوچ کر تمام مال و اسباب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا، اور دہلی سے برہنہ پا شیخ قاضن کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ قاضن نے بڑھ کر استقبال کیا اور فرمایا کہ میں تمھاری آمد کا منتظر تھا، اس کے بعد شیخ نے کچھ اوراد و اذکار کی تلقین فرمائی، جن سے میر صاحب کے قلب میں سوز و دروں کی کیفیت پیدا ہوگئی، یہ آگ رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی، اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ بیتابی میں ادھر ادھر حلقہ کاٹتے اور کہتے تھے کہ کوئی ہے جو قاضن کی لگائی ہوئی آگ کو بجھا دے۔ اسی عالم حیرانی و پریشانی میں آپ کا گذر حضرت شیخ بہاء الدین جونپوریؒ کے یہاں ہوا، انھوں نے ایسی روحانی غذا دیدی جس سے یہ آگ دب گئی اور معرفت الٰہی کے تمام مقامات آپ پر منکشف ہوگئے۔

اس کے بعد صاحب اخبار الاصفیاء نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بزرگ نے ایک دنیا دار شخص سے پوچھا کہ تم دنیا کس طرح حاصل کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ جد و جہد

کے بعد دنیا ملتی ہے، انھوں نے پوچھا کہ جد و جہد کے بعد بھی تم کو پوری دنیا حاصل ہو جاتی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا، بزرگ نے کہا جب تم اس دنیائے فانی کو اس قدر کوشش کے بعد بھی پورے طور سے حاصل نہیں کر سکتے تو عقبائے باقی کو بلا کوشش کے کیسے پا سکتے ہو؟ یہ سنتے ہی اس دنیا پرست پر خوف خدا طاری ہو گیا، اور وہ اسی وقت ترک علائق کر کے مقصد اعلیٰ کی طلب میں لگ گیا، اور ولی بن گیا[1]۔

میر صاحب کے شیخ قاضن سے کسب فیض کرنے کی تصریح دوسرے تذکرہ نویسوں نے بھی کی ہے، چنانچہ اخبار الاصفیاء میں مذکورہ بالا واقعہ کی تفصیل سے پہلے لکھا ہے کہ "مرید و خلیفہ شیخ بہاء الدین جونپوری است، و برخے گویند کہ از شیخ قاضیٔ (قاضن) شطاری فیض گرفتہ" (ص ۹۵) اور بقول صاحب گلزار ابرار بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ آپ سلسلۂ شطاریہ میں قاضن شطاری کے مرید ہیں، (اذکار ابرار ص ۲۰۹) صاحب مشکوٰۃ النبوۃ نے میر صاحب کو شیخ قاضن کے کامل ترین خلفاء میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے "ازاں جملہ دو خلیفہ اکمل بودند، یکے میر سید علی قوم کہ کمالات او اظہر است، در نواحی جونپور بسرائے میران آسودہ است، از وے مردم بسیار ارشاد یافتند۔" (ص ۱۸۲)

میر صاحب کے شیخ قاضن سے کسب فیض کرنے بلکہ ان کے اکمل خلیفہ ہونے کی ان تصریحات کے باوجود ان کے کسی تذکرہ نویس اس کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کو صرف "مرید و خلیفہ شیخ بہاء الدین جونپوری" بتاتے ہیں، چنانچہ اخبار الاخیار (ص ۲۲)، سفینۃ الاولیاء (ص ۱۹۰)، خزینۃ الاصفیاء (ص ۴۲۲ ج ۱) اور تاریخ الاولیاء (ص ۲۳۶ ج ۲) میں یہی لکھا ہے، اور ان میں سے کسی کتاب میں شیخ قاضن یا کسی دوسرے مرشد و مربی کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ شیخ قاضن شطاری کی نگاہ نے میر صاحب کی خشک لکڑی میں آگ

---

[1] اخبار الاصفیاء ص ۹۵ - ۹۶

لگائی تھی، جس کو بجھانے کے لیے وہ دربدر کی خاک چھانتے پھرے اور شیخ قاضن کے علاوہ اور دوسرے کئی مشائخ سے بھی کسب فیض کیا، جن میں شیخ بہاء الدین چشتی جونپوری جیسے جامع شریعت وطریقت عالم تھے اور میر صاحب ان ہی کے مرید و خلیفہ کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اس کے باوجود آپ پر شطاری رنگ غالب رہا، شیخ قاضن کا نام محمد بن علاء الدین ہے، ترہت بہار کے رہنے والے اور بہار ہی میں منیر کے قاضی تھے، جو ان دنوں جونپور کی عملداری میں تھا، اس لیے میر صاحب دہلی سے چل کر سب سے پہلے بہار پہنچے جو حدود جونپور میں شامل تھا، اور اس پر جونپور کا اطلاق بھی صحیح تھا، شاید اسی لیے شاہ عبد الحق صاحب وغیرہ نے شیخ قاضن کا تذکرہ نہ کرنے کے باوجود میر صاحب کے ابتدائے طلب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "در اوان طلب بجانب جونپور افتاد" (۲۲۱) اور نزہتہ الخواطر میں ہے کہ جب میر صاحب دہلی سے جونپور تشریف لائے تو ان کے چچا شیخ محمد ابن سعید بھی ساتھ تھے، اور جوان صالح بھتیجے کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لیتے تھے،

عام تذکرہ نویسوں نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، میر صاحب کو مرید و خلیفہ شیخ بہاء الدین جونپوری بتایا ہے، اور ان کے کسی دوسرے شیخ کا نام نہیں لیا ہے، مگر کئی کتابوں میں شیخ بہاء الدین جونپوری سے پہلے شیخ قاضن شطاری سے تلمذ کا ذکر ہے، ان دونوں کے علاوہ میر صاحب نے دو اور مشائخ سے کسب فیض کیا ہے، جو دیار جونپور کے رہنے والے تھے، چنانچہ نزہتہ الخواطر میں، رسالہ عاشقیہ کے حوالہ سے درج ہے، کہ میر صاحب جونپور آنے کے بعد سب سے پہلے شیخ شہاب الدین حسینی جونپوری کی خدمت میں پہنچے، جو سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ میں تھے، ان کی خدمت وصحبت میں رہ کر طریقہ سہروردیہ حاصل کیا، اور خرقہ پہنا، اس کے بعد نظام آباد (اعظم گڈھ) پہنچے، جہاں شیخ عبد اللہ دوس عرف شاہ قدن شطاری کا روحانی فیض جاری تھا، مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر طریقۂ شطاریہ حاصل کیا، اور اس کے اذکار و اشغال میں اس قدر مشغول رہے کہ آپ پر

کشف وشہود کے دروازے کھل گئے، گویا شیخ قاضن شطاری کی تعلیم و تربیت کے بعد شیخ عبد اللہ دوس شطاری کی صحبت نے آپ کے حق میں طریقۂ شطاریہ کو دو آتشہ بنا دیا، اور آپ کو تمام مروجہ سلسلوں میں نسبت تامہ حاصل ہونے کے باوجود سلسلہ شطاریہ عشقیہ سے خصوصی تعلق رہا، شیخ شہاب الدین جونپوری اور شیخ عبد اللہ دوس نظام آبادی سے میر صاحب کے تلمذ کا ذکر نزہتہ الخواطر میں موجود ہے۔[1]

ان سب مشائخ سے کسب فیض کرنے کے بعد میر صاحب آخر میں حضرت شیخ بہاء الدین عمری چشتی جونپوری کی خدمت میں پہنچے، اس زمانہ میں آپ کی ذات جامع شریعت وطریقت ارباب علم و فضل کا مرجع تھی، وہ ایک طرف بڑے عالم دین اور علوم شریعت کے حامل تھے، دوسری طرف سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتا تھا، میر صاحب ایک مدت تک شیخ بہاء الدین کی خدمت وصحبت میں رہ کر ظاہری و باطنی علوم کے فیوض و برکات حاصل کئے اور انکے مرید و خلیفہ مشہور ہوئے۔

علوم ظاہری و باطنی میں جامعیت اس زمانہ میں عام طور سے علماء، مشائخ اور مشائخ علماء ہوتے تھے، آج کل کی طرح بے علم مشائخ اور بے نسبت علماء کا رواج نہیں تھا، میر صاحب نے اپنے جن اساتذہ و مشائخ سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے، ان ہی سے علوم شرعیہ کی بھی تحصیل فرمائی، کیونکہ یہ حضرات ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے، اور ارشاد و تلقین کے ساتھ تعلیم و تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، اور ان کے کاشانے بیک وقت، مدرسہ اور خانقاہ دونوں تھے، خاص طور سے شیخ قاضن اور شیخ بہاء الدین علوم شرعیہ کے زبردست ماہرین میں سے تھے، ایک منیر میں قاضی اور دوسرے جونپور میں معلم و مرشد تھے،

[1] نزہتہ الخواطر ج ۴ ص ۲۴۴

شیخ محمد بن حسن غوثیؒ نے گلزار ابرار میں تصریح کی ہے کہ جب سید علی قوام شہر جونپور پہنچے تو شیخ بہاء الدین سے بیعت ہوئے، اور ظاہری علوم اور باطنی کمالات پیدا کیے[1]، یہ ضرور ہے کہ میر صاحب کی زندگی کا روحانی پہلو اتنا پرکشش اور نمایاں رہا کہ آپ کا شمار مشائخ میں ہوا، اور تذکرہ نگاروں نے اسی حیثیت سے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ مشائخ کی تذکرہ نگاری کا یہ پہلو ہمیشہ سے بہت افسوسناک رہا ہے کہ ان کے درجات و مراتب، کشوف و کرامات اور تصرفات کے انبار میں ان کی علمی زندگی دب گئی، اور یہ بہت کم معلوم ہو سکا کہ علوم شرعیہ میں ان کا کیا مقام و مرتبہ تھا، حالانکہ ان بزرگوں میں بہت سے اصحاب علوم و فنون کے ماہر و جامع گذرے ہیں۔ اور ارشاد و تلقین کے ساتھ درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔

روحانیت و طریقت کے تمام مروجہ سلاسل میں جامعیت

میر صاحب دیار پورب کے دسویں صدی کے تمام مروجہ طرق و سلاسل کے مشائخ سے فیضیاب ہوئے، ان کے بعض مشائخ ان سب میں کامل تھے۔ اس لیے ان کے سوانح نگار ان کی سب نسبتیں شطاری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی وغیرہ بیان کرتے ہیں، ان تمام طرق و سلاسل میں آپ کو نسبت کاملہ حاصل تھی، صاحب اخبار الاصفیاء نے لکھا ہے کہ "وچندے برآنند کہ با ہر سلسلہ نسبت درست داشتہ[2]"۔ گلزار ابرار میں ہے کہ "بعض کہتے ہیں کہ آپ کو تمام مشہور خانوادوں سے نسبت صحیح حاصل ہے، اور تمام دروازوں سے اپنی استعداد کی بدولت گوناگوں دانش و بینش حاصل ہے"[3]، اس کے باوجود عام تذکرہ نویس آپ کو مرید و خلیفہ شیخ بہاء الدین لکھتے ہیں، اس اعتبار سے آپ طریقہ چشتیہ کے مشائخ کبار میں ہیں، جن پر طریقہ شطاریہ عشقیہ کا رنگ بھی چڑھا ہوا تھا،

[1] اذکار ابرار ص ۱۰۵ [2] اخبار الاصفیاء، ص ۹۵ [3] اذکار ابرار ص ۱۰۹

اور شیخ قاضن شطاری کی نظر اور شیخ عبد القدوس شطاریؒ کی صحبت سے جو فیض پہنچا تھا، وہ شیخ بہاء الدین کی ارادت و خلافت کے بعد بھی نمایاں رہا، میر صاحب کے طلب و اکتساب کی ابتدا شیخ قاضن متوفی ۹۲۰ھ کی خدمت میں حاضری سے ہوئی، اور انتہا شیخ بہاء الدین متوفی ۹۱۱ھ کی خلافت پر ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ ابتدا اور انتہا ان دونوں بزرگوں کی وفات سے پہلے ہوئی ہوگی، اور کم و بیش بیس سال تک میر صاحب نے علم و معرفت کی چار شمعوں سے روشنی حاصل کی ہوگی، اور یہ مدت سوانہ سے نکلنے کے بعد دہلی، بہار، نظام آباد اور جونپور میں گذری، تحصیل و تکمیل کے بعد آپ نے دیار مشرق ہی میں سکونت اختیار فرمائی اور سرائمیر کو ارشاد و تلقین کا مرکز بنا کر یہیں انتقال فرمایا۔

میر صاحب کے اساتذہ و شیوخ

میر صاحب کی شخصیت سازی میں جن اساتذہ و شیوخ کی نگاہوں نے کیمیا گری کی ہے، ان میں چار بزرگ نمایاں ہیں جن سے آپ نے براہ راست کسب فیض کیا ہے، ان کے مختصر حالات یہاں درج کیے جاتے ہیں، ان سے خود میر صاحب کے فضل و کمال کا اندازہ ہو سکے گا۔

شیخ قاضن شطاریؒ

آپ کا اصل نام شیخ محمد بن علاء الدین بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین ہے، قاضیٔ منیر اور قاضن کے لقب سے مشہور ہیں، ترہت بہار کے رہنے والے تھے، جو اس زمانہ میں حدود جونپور میں شمار ہوتا تھا، ظاہری و باطنی دونوں علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے، شریعت و طریقت کے جامع اور منیر کے قاضی تھے، آپ کو طریقت کے تمام مروجہ طرق و سلاسل کے اکابر سے نسبت حاصل تھی، طریقۂ فردوسیہ اور اپنے والد بزرگوار شیخ علاء الدین بن عالم سے طریقۂ سہروردیہ شیخ رکن الدین جونپوری سے، طریقۂ چشتیہ شیخ زاہد بن بدر الدین چشتی سے، طریقۂ قادریہ شیخ عبد الوہاب بن عبد الرحمٰن صدیقی سے، طریقۂ مداریہ شیخ حسام الدین اصفہانی

جونپوری ہے، اور طریقہ شطاریہ براہ راست اس کے بانی و امام شیخ عبد اللہ بن حسام الدین شطاری خراسانی سے حاصل کیا تھا، طریقۂ شطاریہ کا رنگ آپ پر اس قدر غالب تھا کہ شطاری کی نسبت سے مشہور ہوئے، آپکے اکمل ترین خلفا میں میر صاحب اور آپ کے صاحبزادے شیخ ابو الفتح ہدایت اللہ شطاری شامل ہیں، انتصاح عن ذکر اہل الصلاح میں ہے کہ آپ نے ۳ صفر ۹۰۲ھ کو وفات پائی، ان کی قبر جونپور میں ہے، برکات الاولیا میں آپ کا مزار دار القصر مندو میں بتایا گیا ہے، اس میں اور مشکوۃ النبوۃ میں تاریخ وفات ۳ صفر ۹۰۲ھ درج ہے، جو ۹۲ھ کی تصحیف کا نتیجہ ہے، میر صاحب کی راہ طلب میں پہلی منزل آپ ہی کی ذات اقدس ہے، جہاں دہلی سے پہنچے، اور فیضیاب ہوئے۔[1]

شیخ شہاب الدین سہروردی جونپوری حضرت شیخ شہاب الدین حسینی سہروردی جونپوری دسویں صدی کے جونپوری علماء و مشائخ میں بڑے مقام و مرتبہ کے بزرگ ہیں، طریقہ سہروردیہ میں امامت و مشیخت کا درجہ رکھتے تھے، روحانی تعلیم شیخ برہان الدین حسینی تلمیذ شیخ صدر الدین محمد بن احمد بخاری اُچی سے حاصل کی تھی، میر صاحب شیخ قاضن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت میر صاحب راہ سلوک کی ابتدائی منزل میں تھے، صاحب نزہۃ الخواطر نے رسالہ عاشقیہ کے حوالہ سے اسکی تصریح کی ہے۔[2]

شیخ عبد القدوس شطاری نظام آبادی آپ شیخ قدن اور قطب صدیق کے لقب سے مشہور ہیں، مستقل قیام نظام آباد (اعظم گڈھ) میں تھا، طریقۂ شطاریہ عشقیہ براہ راست اس کے بانی و امام شیخ عبد اللہ بن حسام الدین خراسانی سے حاصل کیا تھا، اس کے بعد ان کے مرید خاص شیخ حافظ شطاری واسطۂ کار کی صحبت میں رہ کر درجۂ کمال کو پہنچے، اور حافظ شطاری نے ان کو خلافت سے نوازا اس کے بعد آپ نے نظام آباد میں ارشاد و تلقین کی بزم سجائی اور خلق اللہ کی ہدایت کی، میر صاحب

[1] مشکوۃ النبوۃ ص ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، و برکات الاولیا ص ۵۵، نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲۔

[2] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۴۴

بھی غالباً شیخ شہاب الدین جونپوری کے بعد ہی آپ سے تعلیم و تلقین حاصل کی تھی، آپ سے اخذ و کسب کی تصریح صاحب نزہۃ الخواطر نے رسالہ عاشقیہ کے حوالہ سے کی ہے۔[1]

شیخ بہاء الدین عمری چشتی جونپوری آپ شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں اور زبردست عالم دین اور طریقۂ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں ہیں، ولادت اور نشو و نما جونپور میں ہوئی، علوم شرعیہ کی تحصیل و تکمیل شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری سے فرمائی اور علوم باطنی راجہ سید حامد شاہ مانک پوری چشتی سے حاصل کر کے ان کے مرید و خلیفہ ہوئے، جن دنوں شیخ بہاء الدین شیخ محمد بن عیسیٰ کی خدمت میں علوم شرعیہ کی تحصیل کر رہے تھے، دھولقہ (گجرات) سے شیخ حسین نامی ایک بزرگ جونپور آئے، انھوں نے شیخ بہاء الدین کو جوان صالح دیکھکر ان کی روحانی تربیت شروع کر دی، اس طرح شیخ بہاء الدین ایام طالب علمی ہی میں طریقت کی لذت سے آشنا ہو گئے، جب شیخ حسین دھولقہ واپس ہونے لگے تو آپ نے ان سے ارادت و خلافت کے بارے میں سوال کیا، شیخ حسین یہ کہکر چلے گئے کہ تمھارا شیخ اسی شہر جونپور میں ہے، تمھارے نصیب میں ہماری طرف صرف اتنی ہی تربیت تھی، ان کے جانے کے بعد شیخ بہاء الدین پھر اپنے استاد کی خدمت میں تحصیل علم کرتے رہے، شیخ محمد بن عیسیٰ نے بھی خلافت نہیں دی اور وصال کے وقت فرمایا کہ "بہاء الدین! خرقۂ خلافت تو پیش سیدے است کہ از مانک پور تشریف خواہد آورد"۔ چنانچہ شیخ محمد بن عیسیٰ کے انتقال کے بعد راجہ سید حامد شاہ مانک پوری جونپور تشریف لائے اور شیخ بہاء الدین ان کی آمد کی خبر سنکر استقبال کے لیے شہر کے باہر گئے، راجہ حامد شاہ نے پہلی ہی ملاقات میں آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

شیخ بہاء الدین آخر عمر میں حرمین شریفین چلے گئے، اور تیس سال تک مکہ مکرمہ میں جبل ابو قبیس

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۴۴

کے اوپر ایک خلوہ میں مقیم رہے، ہر نماز کے وقت حرم شریف میں نماز با جماعت ادا کرتے تھے، اس وقت ان کی عمر سو سال سے زائد ہو چکی تھی، اسی دوران قیام میں وہاں کے علماء سے احادیث کی سند عالی حاصل کی، اور شیخ کمال الدین اسمٰعیل شروانی سے جو خواجہ عبید اللہ احرار کے فیض یافتہ تھے، طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے، آپ کی تصانیف میں ارشاد السالکین مشہور کتاب ہے، ۱۴ر جمادی الاخری یا ۲۶ر رمضان ۹۱۱ھ کو انتقال فرمایا[1]۔

میر صاحب نے یوں تو کئی علماء و مشائخ سے فیض حاصل کیا مگر درجۂ کمال کو شیخ بہاء الدینؒ کی خدمت و صحبت میں پہنچے اور مرید و خلیفہ شیخ بہاء الدین جونپوریؒ سے متعارف ہوئے۔

طریقۂ شطاریہ اور اس کے بانی شیخ عبد اللہ خراسانی

جیسا کہ معلوم ہوا میر صاحب کی روحانی اور احسانی نسبت تمام طرق و سلاسل مروجہ سے تھی، مگر طریقۂ شطاریہ کا جو رنگ ابتدائے طلب میں ان پر چڑھا تھا، وہ آخر تک باقی اور شیخ بہاء الدین سے طریقۂ چشتیہ میں خلافت پانے کے بعد بھی شطاری سوز و ساز غالب رہا، اس طریقہ کے بانی شیخ عبد اللہ بن حسام الدین خراسانی میر صاحب کے دو شیوخ کے شیخ و مرشد بھی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ اور اس کے بانی کے بارے میں بھی کچھ باتیں آجائیں، ان سے میر صاحب کی شخصیت کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت شیخ عبد اللہ بن حسام الدین شطاری خراسانی متوفی ۸۳۲ھ رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ سہروردیہ کے بانی و پیشوا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں، اور طریقۂ شطاریہ عشقیہ کے بانی و امام ہیں، اس کا سلسلہ اس طرح ہے: الشیخ عبد اللہ، عن الشیخ محمد، عن الشیخ محمد عارف، عن الشیخ محمد عاشق، عن الشیخ خدا قلی، عن الشیخ ابی الحسن الخرقانی،

[1] اخبار الاخیار ص ۱۹۲ و نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۶۱

عن الشیخ ابی المظفر الطوسی، عن الشیخ ابی یزید العشقی، عن الشیخ محمد المغربی رحمہم اللہ۔

شیخ عبد اللہ شطاری بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے، دنیائے اسلام میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد ارشاد و تلقین کی بزم آراستہ کی، اسی سلسلہ میں ہندوستان بھی تشریف لائے، اور مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر خلق اللہ کی ہدایت کی، جس شہر یا گاؤں میں جاتے اسکے باہر اپنے مریدوں اور حشم و خدم کے ساتھ خیمہ زن ہوتے، آپ کی سواری شاہانہ انداز سے نکلتی اور نوبت و نقارہ سے دعوت و تبلیغ کا اعلان کیا جاتا، شاہ عبد الحق صاحب لکھتے ہیں:

"سطوت و شوکت ظاہر و باطن داشت، گویند کہ وے نقارہ میزد، و ندا درمی داد کہ طالبے است کہ بیاید، و او را بخدا رہنمائی کنم"۔

ایک مرتبہ آپ اسی شان و شکوہ کے ساتھ دیار جونپور میں تشریف لائے اور شرہرپور (ضلع فیض آباد) پہنچے جو ان دنوں طریقۂ قلندریہ کا مرکز تھا، شاہ داؤد قلندر شرہرپوری کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کے لیے ان کی قیام گاہ پر گئے، دربان نے اندر جانے سے روکا، شاہ داؤد قلندر اس کو پچھاڑ کر سینے پر سوار ہو گئے، اور اندر جا کر شیخ عبد اللہ شطاری کے برابر کرسی پر بیٹھ گئے، آپ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، بعد میں ایک خادم نے شیخ داؤد سے کہا کہ بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا، شاہ داؤد نے جواب دیا کہ با ادب خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا، اگر میں ادب کر کے دربان کو دھکا نہ دیتا اور اندر داخل نہ ہوتا تو شیخ عبد اللہ کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا تھا[1]۔

شیخ عبد اللہ شطاری کے دو خلفاء دیار پورب میں مشہور و مخصوص تھے، ایک شیخ قاضن، دوسرے شیخ عبد القدوس نظام آبادی، دونوں سے میر صاحب نے طریقۂ شطاریہ

[1] اخبار الاخیار ص ۱۷۱، اخبار الاصفیاء ص ۸۲، مشکوۃ النبوہ ص ۲۰۸ و ۲۰۹، نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۵

کی تعلیم وتلقین حاصل کی بلکہ شیخ قاضن کے اکمل ترین خلفاء میں سے ہیں،

شیخ عبد اللہ شطاری نے سلسلۂ شطاریہ کے چند مخصوص و متعارف اذکار و اشغال وضع کیے ہیں، جن میں وہ منفرد ہیں، اور شطاری اوراد و وظائف اور مراقبات میں رسالہ شطاریہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ان کے اصول بیان کئے ہیں،

شاہ عبد الحق صاحب نے شیخ بہاء الدین بن ابراہیم قادری شطاری کے تذکرہ میں اسکی کچھ عبارتیں نقل کی ہیں، ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں، تاکہ میر سید علی بن قوام الدین کی روحانی زندگی کے سمجھنے میں مدد ملے، شاہ صاحب لکھتے ہیں،

"در رسالہ می گوید کہ الطریق الی اللہ بعدد انفاس الخلق گفتہ اند، اما سہ طریق ازاں مشہور و معروف است، اول طریق اخیار، و آں صوم و صلوٰۃ و تلاوت قرآن و حج و جہاد است، روندگان ایں طریق در زمان طویل اندک بمقصود رسند"

دوم طریق اصحاب مجاہدات و ریاضات در تبدیل اخلاق ذمیمہ و تزکیۂ نفس، و تصفیۂ روح، و ہو طریق الابرار، فالواصلون بہذا الطریق اکثر من تلک الطریق۔

سوم طریق شطاریہ، فالواصلون منہم فی البدایات اکثر من غیرہم فی النہایات، و ایں ازاں دو طریق اقرب الطریق الی اللہ، و اصول طریق شطار دہ چیز اند، اول توبہ، ہو الخروج عن کل مطلوب سواہ، دوم زہد عن الدنیا و محبتہا و متاعہا و شہواتہا قلیلہا و کثیرہا، سوم توکل، و ہو الخروج عن الاسباب، چہارم قناعت، و ہی الخروج عن الشہوات النفسانیۃ، پنجم عزلت، و ہی الخروج عن مخالطۃ الخلق

بالانزواء، والانقطاع کما ہو بالموت، ششم توجہ بسوئے حق، و ہو الخروج عن کل داعیۃ تدعو الی غیر الحق کما ہو بالموت، فلا یبقی مطلوب ولا محبوب ولا مقصود الا اللہ، ہفتم صبر و ہو الخروج عن محظوظ النفس بالمجاہدۃ، ہشتم رضا، و ہو الخروج عن رضا النفس بالدخول فی رضا اللہ تعالیٰ، بالتسلیم للاحکام الازلیۃ، والتفویض الی تدبیر اللہ بلا اعراض کما ہو بالموت، نہم ذکر است، و ہو الخروج عن ذکر ماسوی اللہ تعالیٰ، دہم مراقبہ، و ہی الخروج عن وجودہا و قوتہا کما ہو بالموت[1]"

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۹۳، رسالہ شطاریہ کا قلمی نسخہ میں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں دیکھا ہے، غالباً یہ رسالہ چھپ چکا ہے۔

فتوح السلاطین کی ادبی خصوصیات

از جناب ڈاکٹر عبدالمنان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

(۲)

(۳) فتوح السلاطین سے سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ کے نسب، خاندانی حالات، ابتدائی زندگی، اس کے بھائیوں کی تفصیل اور شاہی فوج سے دکن کی باغی فوج کی آویزش پر روشنی پڑتی ہے جس سے تاریخ فرشتہ کے اکثر بیانات کی تصحیح میں مدد ملتی ہے۔

(الف) سلطان کے نسب کے بارہ میں عصامی کا بیان[1] نہایت واضح ہے، سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ، بہمن واسفندیار کی نسل سے تھا، جس سے فرشتہ کے بیان کی تردید[2] ہوتی ہے۔

(ب) علی شاہ نتھو خواہرزادہ ظفر خاں علائی اور علاء الدین حسن بہمن شاہ کے رشتے کے بارہ میں عصامی[3] اور صاحب تاریخ فرشتہ[4] کے بیان میں اختلاف ہے، عصامی نے علاء الدین حسن کو اس کا حقیقی بھائی کے بجائے ماں کی طرف سے رشتے کا بھائی قرار دیا ہے، علی شاہ کی بغاوت کی تفصیلات میں بھی ان دونوں کے بیان میں اختلاف ہے،

(ج) فتوح السلاطین سے سلطان علاء الدین حسن کے ابتدائی حالات پر اہم روشنی

[1] فتوح السلاطین ص ۹ [2] ایضاً ص ۴۸۳ - ۵۰۰ [3] فرشتہ ج ۱ - م ۲ - ص ۱۳۸

پڑتی ہے، فرشتہ[1] کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاء الدین حسن بادشاہت سے قبل پہلی مرتبہ قتلغ خاں کے دولت آباد کا گورنر مقرر ہونے کے بعد اس کی رفاقت میں دکن آیا،

عصامی کا بیان[2] ہے کہ وہ گرشاسپ کی بغاوت فرو کرتے وقت ۱۳۲۶ء میں ساگر میں شاہی فوج کے ساتھ تھا، اور جب بڑودہ[3] میں امیران صدہ نے بغاوت کی تو اس وقت وہ اپنی جاگیر میرج میں سرحددار کی خدمت پر مامور تھا، فرشتہ[4] کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابتدا سے دکن کی باغی فوج میں شریک تھا، اس کے برعکس عصامی[5] کا بیان ہے کہ وہ اسمٰعیل مخ کے اعلان بادشاہت کے بعد گلبرگہ کے محاصرہ میں باغی فوج کے ساتھ شریک ہوا، اس طرح بانی سلطنت بہمنیہ کے ابتدائی حالات پر جو نئی روشنی پڑتی ہے، اس سے بہمنیہ سلطنت کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے، فرشتہ اور طباطبا نے اکثر جگہ بہمنیہ سلطنت کے ابتدائی حالات بیان کرنے میں فتوح السلاطین سے مدد لی ہے، لیکن فرشتہ نے ان معلومات کو نظرانداز کر دیا ہے، جو اس کے مقصد کے خلاف تھے،

(۴) فتوح السلاطین میں چودھویں صدی کے ہندوستان کی معاشرتی زندگی کی بھی جھلک نظر آتی ہے، :-

(الف) خضر خاں اور دول رانی کی شادی کے موقع پر[6] ایک جشن کے انعقاد کا منظر دکھایا ہے، جس میں جشن کے اختتام پر مہمانوں کی پان اور شربت سے تواضع کی گئی تھی،

(ب) عصامی[7] نے پرجوش انداز میں دہلی کی آبادی، اس کی فراوانی، خوشحالی اور

[1] فرشتہ: ج اول، مقالہ سوم ص ۲۷۴ [2] فتوح السلاطین ص ۴۲۹ [3] ایضاً ص ۵۲۶ [4] فرشتہ ج ۱ م ۲ ص ۱۴۲ [5] فتوح السلاطین ص ۵۲۲ - ۵۲۶ [6] ایضاً ص ۲۲۵ [7] ایضاً ص ۴۵۲ - ۴۵۳

علم و فن کے چرچوں کا ذکر کیا ہے۔ دہلی کی علمی فضیلت کے بیان میں کہتے ہیں کہ بخارا اور سمرقند کے مفتیوں کو کسی شرعی مسئلہ میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تو دہلی کے مفتیوں سے فتویٰ حاصل کرتے تھے۔ دہلی، عصامی کے زمانے میں دینی اور دنیوی علوم کا مرکز تھا جس کا شیرازہ سلطان محمد بن تغلق کی خود رائی اور تلون مزاجی کی بنا پر منتشر ہو گیا۔

(ج) ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخوں سے اس زمانے کی ضیافتوں کے اہتمام اور ان کے ماکولات و مشروبات پر روشنی نہیں پڑتی، عصامی نے سلطان علاء الدین حسن کی ایک شاہی ضیافت کا تفصیل سے نقشہ کھینچا ہے، جس میں شاہی دسترخوان کے کھانوں اور مٹھائیوں کی تفصیل دی ہے۔

فتوح السلاطین کی ادبی اہمیت

عصامی ہندوستان کے ادبی روایات کے نمائندے ہیں، ان کے اشعار میں فصاحت اور کلاسیکی خصوصیات پائی جاتی ہیں، ان کے انداز بیان کی جادوگری سے ناظرین مسحور ہو جاتے ہیں، ان کے اشعار میں شعریت اور اثر آفرینی پائی جاتی ہے، وہ واقعات کا تسلسل بڑی چابکدستی سے قائم کرتے ہیں، سلسلۂ سخن کہیں ٹوٹنے نہیں پاتا، اصل واقعات کے ضمن میں ذیلی واقعات بھی بیان کرتے ہیں، لیکن کہیں بھی واقعات کی ترتیب اور تسلسل میں فرق پیدا نہیں ہونے پاتا، اور اصل واقعے کی لہر بدستور باقی رہتی ہے۔ ان کی زبان میں لطافت، خیالات میں روانی اور کلام میں سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ تاریخ نگاری کا ملکہ خداداد ہے، واقعہ یہ ہے کہ فتوح السلاطین تاریخ اور شاعری کے امتزاج کا دلکش مرقع ہے، انھوں نے تاریخ کو ادب بنا دیا، ماضی کے بے جان واقعات کو اپنی جاندار شاعری

سے زندگی عطا کر دی، لیکن شاعرانہ انداز بیان میں وہ واقعات کی صحت و صداقت کا دامن کہیں نہیں چھوڑتے اور ان کی صحیح تاریخیں دیتے چلے جاتے ہیں۔

ذیل میں فتوح السلاطین کے چند نمایاں ادبی محاسن پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) جامعیت:- فتوح السلاطین رزم و بزم، اخلاق و حکمت، تاریخ و داستان عشق و محبت اور تہذیب و معاشرت ہر قسم کے مضامین پر مشتمل اور پورے تین سو برس کی تاریخ ہے، تاریخی واقعات بیان کرنے کے دوران میں مختلف قسم کے گوناگوں واقعات اور حالات آتے جاتے ہیں، لیکن جامعیت اور بلاغت کا کمال یہ ہے کہ شروع سے آخر تک تناسب، ترتیب، تسلسل اور ہم آہنگی میں فرق نہیں آنے پاتا، اس لیے یہ ایسا ادبی شہ کار ہے جو رزمیہ بھی ہے اور بزمیہ بھی، اصل میں یہ ایک رزمیہ ہے، لیکن عصامی نے تنوع کی خاطر اس کو عاشقانہ یا جذباتی شاعری کا بہترین نمونہ بنا دیا، رزمیہ واقعات میں زور بیان اور شکوہ الفاظ اور بزمیہ یا عشق کی داستان میں لطافت، نزاکت اور اثر انگیزی کا خاص اہتمام ہے، اس لیے وہ رزم و بزم دونوں کا شاہکار ہے۔

فتوح السلاطین کی ان خصوصیات کا اظہار خود عصامی نے بھی کیا ہے، فردوسی[1] رزمیہ شاعری کا خدائے سخن ہے، عصامی نے اس کو اس صنف کا طاؤس قرار دیا ہے[2] نظامی گنجوی بزمیہ یا عشقیہ مثنوی کے تاجدار ہیں، عصامی[2] نے خمسہ کی شیرینی اور داستانی پہلو کے لحاظ سے ان کو بلبل سے تشبیہ دی ہے۔ فتوح السلاطین شاہنامہ اور خمسہ کے مشترک انداز میں نظم کیا گیا ہے، گویا فتوح السلاطین فردوسی اور نظامی

---

[1] فتوح السلاطین ص ۶۰۹ [2] ایضاً

دونوں کے ادبی فیضان کا نتیجہ ہے جس کو وہ طوطی سے تعبیر کرتے ہیں،

(۲) معیار کی بلندی :۔ عصامی نے فتوح السلاطین میں فن شاعری اور اصناف سخن
سلسلہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بڑی ادبی قدر و قیمت کے حامل ہیں، ان سے
عصامی کی تنقیدی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے اور شاعری کے بعد جدید نظریات اور رجحانات
کی بھی ترجمانی ہوتی ہے، فارسی شاعری کے اصناف کے بارہ میں انھوں نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے:

"غزل کا خمیر عشق ہے اور قصیدہ کی روح مدح ہے، ایک دلنواز ہے تو دوسرا
جانفزا، لیکن میرے دل و جان مثنوی کے دل دادہ ہیں، اس لیے کہ اس میں قافیہ کا التزام
نہیں ہوتا، مضمون و اسلوب کے اعتبار سے مثنوی ایک جامع صنف سخن ہے، اس کے
شگفتہ، جاذب نظر اور رواں دواں وزن میں ہر قسم کا مضمون بیان کیا جا سکتا ہے،
جن لوگوں نے اقلیم شاعری میں امتیاز و ناموری پیدا کی ہے، انھوں نے غزل کے مقابلہ
میں مثنوی کی طرف زیادہ توجہ کی ہے، بادشاہوں اور محبوبوں کے خط و خال کے جائزے
کے لیے یہی صنف موزوں ہے .... وغیرہ"[۱]

ان خیالات سے عصامی کے ترقی پذیر ادبی شعور کا اظہار ہوتا ہے، مثنوی کی
جامعیت اور ہمہ گیری کے متعلق انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ موجودہ تنقید
ادب کے معیار پر بھی پورے اترتے ہیں، انھوں نے اپنے ادبی معیار کو فتوح السلاطین
میں پیش کیا ہے، جس میں مثنوی کی تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں،

عصامی نے تخلیق شعر کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔[۲]

"روشن دلوں پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ معانی کا عرض کرنا کس قدر مشکل فن ہے

۱؎ فتوح السلاطین ص ۱۷ ۲؎ ایضاً ص ۶۱

شاعر کو اس کے لیے کس قدر خونابہ افشانی کرنی پڑتی ہے جس کے نتیجے میں ایک سنجیدہ موتی
حاصل ہوتا ہے، بڑی کد و کاوش سے ایک نکتہ، وزن، معانی اور لفظ صحیح کے ارتباط سے
شعر کی صورت اختیار کرتا ہے، جس میں سلاست اور شائستہ قافیہ ہونا چاہیے"،

عصامی کے ان خیالات سے شعر کی تخلیق کے جس عمل پر روشنی پڑتی ہے وہ ادب
کے موجودہ نظریے سے ہم آہنگ ہے، ادب میں عظمت "خون جگر" سے پیدا ہوتی ہے
جس کا اظہار عصامی نے اس شعر میں کیا ہے،[۱]

شب و روز خون دل خویشتن — ہمہ آب کردم پئے ایں چمن

(۲) محاکات :۔ اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز یا کسی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا
جائے کہ اس شئے یا حالت کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے، محاکات میں جان
تخیل سے پیدا ہوتی ہے، خالی محاکات محض نقالی ہے، محاکات پر آب و رنگ چڑھانا
تخیل کا کام ہے، عصامی بڑے چابک دست مصور ہیں، ان کی شاعری جذبات انسانی
اور مظاہر قدرت کا نہایت حسین مرقع پیش کرتی ہے، ان کی واقعہ نگاری میں تسلسل
جوش اور روانی پائی جاتی ہے، وہ داخلی اور خارجی مظاہر کی مصوری میں
معنویت اور جان اپنے تخیل سے پیدا کرتے ہیں، اور ان کو اپنے شاداب تخیل سے
از سر نو زندہ کرتے ہیں، ان کو زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل ہے، جزئیات پر
بھی ان کی نظر رہتی ہے، وہ ان میں حسین تشبیہات سے کام لیتے ہیں جس سے
کلام میں تازگی اور ندرت پیدا ہو جاتی ہے، فتوح السلاطین محاکات کے
نمونوں سے معمور ہے، اور شاداب اور شگفتہ چمن زار کا نقشہ پیش کرتا ہے،

۱؎ فتوح السلاطین ص ۶۱۴،

اس کی چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں :-

(الف) عصامی نے نظامی گنجوی سے خواب میں ملاقات کا نقشہ اس دلچسپ اور معنی خیز انداز سے کھینچا ہے[۱] :-

"عالم خواب میں عصامی نے ایک مہمان خانہ کی سیر کی جو خانۂ آفتاب سے زیادہ منور تھا، جس میں بے شمار مسافر اپنے اپنے مقام پر قیام پذیر تھے، جب عصامی نے اس "جائے نغز" کا جائزہ لیا تو ایک مرد پیر کو خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا، اس مرد پیر کے چہرے سے جلوۂ "سیمائے ہوش" عیاں تھے، انھوں نے اس "صبح روشن" سے "اسرار شب" دریافت کیا، شاعر کے استفسار پر نظامی کے چہرہ پر صبح تبسم کھیل گئی"

(ب) عصامی[۲] نے کیخسرو کے بعد کیقباد کے بادشاہ ہونے کا ذکر خاص انداز سے کیا ہے، اور اس کے عیش و عشرت کا نقشہ اپنی ادبی مصوری سے بہت پر لطف انداز میں کھینچا ہے :-

چو دیہیم کیخسروی کیقباد — بہ نیروئے اقبال بر سر نہاد
ہمی راند کارے در آں تخت گاہ — بہ کارش کمر بستہ ہر گز کلاہ
شب و روز بزم طرب ساختے — بہ اشتغال دیگر نہ پرداختے
بہ بزمش رواں ساقیاں صبح و شام — ہمہ شکّریں لعل و شیریں کلام
ہمہ عنبریں زلف و صندل بدن — ہمہ سرو قد و ہمہ سیم تن
شہ شیر گیر اندر آں آہواں — شب و روز بودے شکار افگناں

۱؎ فتوح السلاطین ص ۱۸ ۲؎ ایضاً ص ۱۸۶

(۲) جدت مضامین و لطف ادا :- شاعری کے لیے یہ سب سے مقدم چیز ہے، بعض ارباب فن کے نزدیک شاعری جدت ادا کا دوسرا نام ہے، شاعری اور انشا پردازی کی جادوگری اسی سے عبارت ہے، یہ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے، عصامی کو مبدأ فیاض نے یہ خوبی فراوانی سے عطا کی تھی، اس سے فتوح السلاطین جدت ادا اور لطف بیان کا ایک حسین و جمیل مرقع ہے، ذیل میں اس وصف کو چند مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے :-

(الف) شاہنامہ ایران باستان کی سرگذشت ہے، جس میں آتش پرستوں کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں، عصامی کہتے ہیں :-

پس آنگہ یکی نامۂ خوش نبشت — بیاراست آتشکدہ چوں بہشت

(ب) خوشی و شادمانی :-

چو بر ایبک التتمش ایں قصہ گفت — دل ایبک از عشق چوں گل شگفت

(ج) پیری کے متعلق عصامی نے ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے، جو ان کے جدت تخیل کی دلیل ہے :-

بہ پیری بود آدمی را کمال — بہ بدرے رسد نور کامل ہلال
ز موئے سپید اے برادر مرنج — کہ بر روشنی بر تواں دید گنج

(۴) کردار کشی :- عصامی کو مختصر الفاظ میں شخصیتوں کا خاکہ کھینچنے میں کمال حاصل ہے، ان کے نزدیک اچھے اخلاق شخصیت کو آب و تاب عطا کرتے ہیں، وہ اپنے زور قلم سے ان پیکروں میں جان ڈال دیتے ہیں، ان کی تاریخ، واقعات اور اشخاص کا ایک مرقع ہے :-

(الف) ناصر الدین محمود کی سیرت کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہیں :-

شنیدم کہ آں شہ فرخندہ رائے / یکے بود از خاص گان خدا

بہ دعا رہت بود تاج و سریر / کہ بودے بہ کارے پلاس و حصیر

شب و روز آں خوش تر از جان پاک / بدے مست از ذکر یزدان پاک

(ب) جلال الدین خلجی کی کردار کشی میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے کہ اس کے زمانے میں کسی شخص کے دل کو تکلیف نہیں پہنچی :

شہے بود الحق حلیم و کریم / مزاجش بہ داد و دہش مستقیم

درآں ہفت سالے کہ او ملک راند / یکے خاطر آزردہ از وے نماند

(۵) ساقی نامہ :- عصامی ہر اہم تاریخی واقعے کے اختتام پر ساقی سخن سے جام شراب مانگتے ہیں، یہ شراب کبھی شراب عبرت سے عبارت ہوتی ہے اور کبھی ایک نئے دور مسرت افزا کی خوشیاں مراد ہوتی ہیں، ذیل میں اس کی دو مثالیں درج کیجاتی ہیں :

(الف) سلطان معزالدین محمد ابن سام کے قطب الدین ایبک کو ہندوستان سے طلب کرنے کی داستان شروع کرنے کے موقع پر ساقی سے مخاطب ہوتے ہیں :

بیا ساقیا بادہ در جام کن / مرا بے غم از دور ایام کن

کہ گیرم ز مستی جہان دگر / زنم خامہ در داستان دگر

(ب) سلطانہ رضیہ کے قید ہو جانے کے واقعہ پر دل گرفتہ ہو کر ساقی سے دل افسردہ پر آبحیات چھڑکنے کی خواہش کرتے ہیں کہ تازہ دم ہو کر معزالدین بہرام کی حکمرانی کا ذکر کریں :-

بیا ساقیا گرچہ در آتشم / چو باد چمن می رسد سر خوشم

یکے جرعہ بر خاک من بر فشاں / ز آب حیاتم بدہ تازہ جاں

(۶) مضامین رزم :- فتوح السلاطین در اصل ایک رزمیہ تاریخ ہے، اس سے عہد وسطی کے فن جنگ یعنی صف بندی کے اصول، فوجوں کی مختلف حصوں پر تقسیم، حملہ کا قاعدہ، آلات حرب کی تفصیل وغیرہ پر مفید روشنی پڑتی ہے، عام طور پر ایشیا کی بڑی تاریخیں اس قسم کی تفصیل سے خالی ہیں، میدان رزم کی مرقع کشی اور فوجی تکنیک سے واقفیت میں عصامی کو ہندوستان کے عہد وسطی کے دوسرے مورخین کے مقابلے میں خاص امتیاز حاصل ہے، لڑائی کی تفصیلات کے علاوہ جنگ کی حالت میں سپاہیوں کی نفسیاتی کیفیت بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں، مثلاً سلطان معزالدین اور رائے پتھورا کی لڑائی اور گرشاسپ حاکم ساگر کی بغاوت کے سلسلے میں میدان جنگ کا بڑا کامیاب نقشہ پیش کیا ہے[1]، اور فوج کی صف بندی اور معرکہ آرائی کا بڑی تفصیل اور نہایت باریکی سے جائزہ لیا ہے، مگر اس سے شعر کی لطافت اور نزاکت متاثر ہونے نہیں پائی ہے، میدان جنگ کی ایسی بہتر اور صحیح نقشہ کشی نثر میں بھی ممکن نہیں، یہ نظامی گنجوی کے فیضان کا نتیجہ ہے،

(۷) جذبات نگاری :- واقعہ کشی اور جذبات نگاری شاعری کا بڑا اہم عنصر ہیں، اس میں عصامی، فردوسی اور نظامی کے ہم پلہ ہیں، واقعہ کے بیان میں جزئیات اور گرد و پیش پر پوری نظر رکھتے ہیں، اور ان کا احاطہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ جذبات مجسم ہو کر آئینۂ تخیل میں منعکس ہو جاتے ہیں، وہ رمز شناس فطرت ہیں، ان کا دامن تخیل تشبیہ اور استعارہ کے گھٹائے صد رنگ سے معمور رہتا ہے، اس لیے وادی تخیل میں

---

[1] فتوح السلاطین ص ۷۷

نئے نئے پھول کھلاتے ہیں، اور واقعہ نگاری، انداز بیان کی اثر انگیزی سے مرقع نگاری کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہوگا،

(الف) ناصر الدین محمود[1] کو زہر دینے کے سلسلے میں دنیا کی بازی گری اور عیاری پر روشنی ڈالتے ہوئے جذبات نگاری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے :-

جہانِ کہن طرفہ بازی گری است ۔۔۔ فریبندۂ کودکاں اکثرے است

بسی تاج شاہان فرخ نژاد ۔۔۔ بہ بازی طفلاں سپارد بہ باد

یکی نوش او نیست خالی ز نیش ۔۔۔ یکی را حقش نیست بیروں ز ریش

(ب) عشق و محبت کے کوائف کے بیان میں بڑی اثر آفرینی ہے، ایک مقام[2] پر عشق کی کار فرمائی اور حکمرانی کا نقشہ بڑے سوز و گداز سے کھینچا ہے :-

بر آں سر کہ نبود افسار عشق ۔۔۔ جوئے ہم نیرزد بہ بازار عشق

بسے خواجہ از عشق گردد غلام ۔۔۔ وزیں دانہ صیاد افتد بہ دام

کسے کو دریں راہ ننہاد سر ۔۔۔ بروں است از کاروان بشر

دریں کارواں بیں کہ ہر صبح و شام ۔۔۔ کشد خواجہ چوں ناقہ بار غلام

(۸) ضرب الامثال :- فتوح السلاطین میں ایسے بے شمار اشعار ملتے ہیں جو مصنف کے وسیع مطالعہ اور دنیاوی تجربہ کا نتیجہ ہیں، اس لیے وہ ضرب المثل بن سکتے ہیں، مثلاً :-

دلم گوید ایں آب تنہا مخور ۔۔۔ کہ تنہا خورد آدمی سگ ہم تبر

بداند بہ ہر جا کہ نام آور است ۔۔۔ کہ مرگ از زبوں زیستن خوشتر است

در اندیشہ با خود نہانے بگفت ۔۔۔ گلے دیگر از باغ دوراں شگفت

---

[1] فتوح السلاطین ص ۱۶۳ [2] ایضاً ص ۴۳

قدم چوں تواں زد دریں طرفہ راہ ۔۔۔ کہ غول از عقب دام و پیش چاہ

(۹) حب الوطنی :- عصامی کو ہندوستان کی تاریخ، تمدن اور مناظر قدرت سے بڑی محبت ہے، اور وہ اس کو اس کے شاداب اور شگفتہ مناظر کی بنا پر رشک جنت کہتے ہیں، یہاں کے موسم میں سدا بہار کی کیفیت پائی جاتی ہے، اگر کانٹے بوئے جائیں تو پھول کھلتے ہیں :-

(الف) خوشا رونق ملک ہندوستاں ۔۔۔ کہ جنت برد رشک ازیں بوستاں

سوادش شدہ زیب روئے زمیں ۔۔۔ چو خالے بہ رخسارے ہر نازنیں

بہ فصل خزانش در آید بہار ۔۔۔ دمد گل در و گر بکارند خار

سرشتہ ہمہ خاک او بہ گلاب ۔۔۔ در و شبنمے دادہ نفع سحاب

(ب) سرزمین ہند میں ایسی دلفریبی اور دلکشی پائی جاتی ہے کہ جہاں دیدہ سیاح جب یہاں پہنچتے ہیں تو سیر و سیاحت چھوڑ کر یہاں قیام پذیر ہو جاتے ہیں :-

جہاں دیدگانے کہ گرد جہاں ۔۔۔ بگردند دائم سیاحت کناں

بہ بندند خاطر بہ ہیچ از دیار ۔۔۔ نگیرند ماہے بہ شہرے قرار

ہم آخر چوں در ملک ہندوستاں ۔۔۔ در آیند ناگہ سیاحت کناں

سیاحت گذارند و ساکن شوند ۔۔۔ بروں زیں دیار و دمن کم روند

ان اشعار میں سیاح جہاں گرد سے ابن بطوطہ کی طرف اشارہ ہے،

(ج) محمد بن تغلق کے دور حکومت میں باشندگان دہلی کی دولت آباد کو منتقلی کے موقع پر اپنی مادر وطن "دہلی" کی عظمت اس طرح بیان کرتے ہیں :-

جہاں تخت گاہے کہ در روزگار ۔۔۔ بماند از شہان جہاں یادگار

ملک ہمہ کو چالیس مدام | زیر پائے خود رفتہ ہر صبح و شام
رمت درو کردہ ہر خسروے | مباہات از و کردہ ہر پہلوے

(۱۰) ہندی الفاظ کا اثر :- فتوح السلاطین ایسی فضا میں تصنیف ہوئی جس نے ایک مخلوط زبان کو پروان چڑھایا، اس کے اثرات فتوح السلاطین میں بھی نظر آتے ہیں چنانچہ عصامی نے ہندی الفاظ کو فارسی الفاظ کے ساتھ بے تکلف استعمال کیا ہے، ذیل میں ایسے ہندی الفاظ کی فہرست دیجاتی ہے :-

راؤت بمعنی بہادر
گھٹی " کہسار
نایک " سرہنگ رسردار فوج
تھال " طشت، طبق، سینی
کھنگر " پرچین محکم از چوب وخار
سفیل " درہند تاکنوں در اصطلاح عام فصیل را سفیل گویند
ہولی جشن وعیدے راگویند

غرض امیر خسرو اور عصامی ہندوستان کے فارسی ادب کی ایہ ناز ہستیاں ہیں، اگر فردوسی کے شاہنامہ اور نظامی گنجوی کے خمسہ کا شمار ادبیات عالیہ میں ہوتا ہے تو عصامی کی فتوح السلاطین اپنی صوری اور معنوی محاسن کی بنا پر ان سے کمتر قرار نہیں دیجا سکتی، عصامی نے عہد وسطی کی شاعری کے پر تکلف اسلوب کے بجائے کلاسیکی متانت، استواری کے ساتھ سادگی، سلاست اور روانی کو بھی برقرار رکھا ہے، انھوں نے رزم و بزم دونوں میدانوں میں شہسواری دکھلائی ہے، بزم کے میدان میں ان کی شاعری ایسے

چمن کا نقشہ پیش کرتی ہے جہاں عیش و نشاط، کامجوئی اور کامرانی کے پھول مسکراتے ہیں، اس لیے فتوح السلاطین کو بجا طور پر دکن کے عہد وسطیٰ کے فارسی ادب کا کوہ نور قرار دیا جا سکتا ہے، چنانچہ فتوح السلاطین کے ایک فاضل مرتب نے ان الفاظ میں فتوح السلاطین کے محاسن کا اعتراف کیا ہے :-

" عصامی در شعر فارسی مخصوصاً در صنف مثنوی مقامی بس عالی است و فی الواقع فتوح السلاطین بہترین نمونۂ مثنوی و دلکش ترین آثار قدمائے است کہ بزبان پارسی در ہندوستان انشاشدہ "

یہ ایک ادبی خزنیہ ہے کہ بہمنیہ عہد کا بیش تر ادبی سرمایہ دست برد زمانہ کے نذر ہو گیا ہے، لیکن فتوح السلاطین کی موجودگی میں ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں:

" در دکن اگر عصامی است بس است "

ہندوستان عربوں کی نظر میں (جلد ۲)

ہندوستان کی قدیم تاریخ سے متعلق قدیم عرب مصنفین خصوصاً عرب جغرافیہ نویسوں، سیاحوں اور مورخین کی کتابوں، سفر ناموں اور تاریخوں میں جو بیش قیمت مواد پھیلا ہوا ہے اور جو تاریخ کے طالبعلموں کے لیے بہت کار آمد ہے اس کو دار المصنفین نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ دو جلدوں میں جمع کرایا ہے، اس جلد میں ابن ندیم، عبد القادر بغدادی، قاضی صاعد اندلسی، عبد الکریم شہرستانی، قاضی رشید ادریسی ابن ابی اصیبعہ، ابن بطوطہ، قلقشندی وغیرہ کی کتابوں اور سفر ناموں کے اقتباسات اور ان کا اردو ترجمہ ہے، تاکہ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ضخامت ۴۰۱ صفحے قیمت ۸ روپئے

منیجر

ٹونک کے تاریخی مخطوطات

از
جناب صاحبزادہ شوکت علی خاں صاحب ایم اے ناظم ادارہ تحقیقات علوم شرقیہ ٹونک

(۳)

اقبال نامۂ جہانگیری:- جہانگیرنامہ بھی کہلاتا ہے جو تین دفاتر پر مشتمل ہے، دفتر اول میں بابر اور ہمایوں کے ادوار کے تاریخی اور سیاسی حالات ہیں، دوسرے دفتر میں صرف اکبر اعظم کے طویل عہد حکومت کے واقعات کا احاطہ ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر اکبرنامہ ہی ہے، تیسرے دفتر میں جہانگیر کے سوانح، سیاسی اور ملکی حالات ہیں جو ۱۵ سنہ جلوس تک کے واقعات پر مشتمل ہیں، تیسرا دفتر بہت عام ہے، اس کے نسخے قریب قریب سب کتب خانوں میں ملتے ہیں، لیکن دفتر اول اور دوم نایاب ہیں[1]، اور جو دنیا کے چند کتب خانوں کے علاوہ مشکل ہی سے اور جگہ مل سکتے ہیں، حالانکہ تینوں دفتر ۱۸۷۰ء میں لکھنؤ سے طبع ہو چکے ہیں، لیکن اب کمیاب ہیں،

اس کے مصنف معتمد خاں عہد جہانگیری اور شاہجہانی کے معتمد رکن تھے، اور "شائستۂ سریر سلطنت و فرماندوائے زیبندۂ افسر" تھے، ان کا اصلی نام محمد شریف ہے، ایران کے رہنے والے تھے، ہندوستان آکر تیسرے جلوس جہانگیری میں اعلیٰ منصب اور معتمد خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے، جہانگیر نے اپنی تزک میں کئی جگہ ان کا ذکر کیا ہے، شاہجہاں کے دور شہزادگی

[1] اسٹوری ص ۵۶۱

میں بخشی بنا کر شاہجہاں کے ساتھ دکن کی مہم پر بھیجے گئے تھے، ۱۰ سنہ جلوس میں دکن سے واپسی میں تزک جہانگیری کی ترتیب کی خدمت سپرد ہوئی، معتمد خاں نے شاہجہاں کے زمانہ میں زیادہ ترقی کی، ۱۰ سنہ جلوس شاہجہانی میں میر بخشی کے منصب پر مامور ہوئے، ۱۰۴۹ھ م ۱۶۳۵ء میں انتقال ہوا[1]،

ایلیٹ نے اپنی کتاب میں اس کے ۴۰ صفحات کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے[2]، اس ترجمہ کے متعلق جی، آر، کے، ای کی رائے ہے، "ایلیٹ نے جو حصص دیے ہیں وہ کسی اور کتاب کے معلوم ہوتے ہیں، اور ہمارے جہانگیرنامہ سے مطابقت نہیں کرتے[3]" جہانگیرنامہ کے تینوں دفتروں کا ترجمہ جے میکرڈ نے انگریزی میں کیا ہے، جو مسودہ کی شکل میں انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے، جہاں اس نسخہ کے تینوں دفتروں کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں، دفتر سوم میں صرف جہانگیر کے انیسویں جلوس کے واقعات ہیں، بلکہ معتمد خاں نے اس کی وفات کے بعد کے واقعات بھی بڑھا دیے تھے[4]،

انڈیا آفس کا دفتر اول جیسا کہ ایتھے نے بتایا ہے، غالباً انیسویں سنہ جلوس عالمگیری ۱۰۸۷ھ م ۱۶۷۶ء کا نوشتہ ہے، خدا بخش خاں لائبریری میں بھی پہلا اور دوسرا دفتر ۱۰۴۵ھ م ۱۶۳۵ء کا نوشتہ ملتا ہے، برلن کے کتب خانہ اومیر Aumer میں تینوں دفاتر ہیں[5]، کتب خانہ سعیدیہ میں بھی تینوں دفتر ہیں جو ایک ہی جلد میں مجلد اور ۱۲۴۱ھ م ۱۸۲۵ء کے نوشتہ ہیں، اول اور آخر صفحہ پر ظہور علی اور لوح کتاب پر محمد امین

[1] مآثر الامراء، تذکرۃ الامراء اور تزک جہانگیری میں مزید حالات دیکھیے [2] History of India as told by its own historian Volume VI PP 400 To 438 [3] اسٹوری ص ۵۶۲
[4] مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری جلد اول مرتبہ ایتھے ص ۲۱ نسخہ نمبر ۳۱۰-۳۱۳ ملاحظہ ہو۔
[5] دیکھیے برلن کیٹلاگ ص ۴۸۷ اور Aumer ص ۲۵۷

کی مہریں ثبت ہیں، ان کے علاوہ دو جلدیں اور ہیں، ایک جلد اول کا حصہ ہے، جو ابتدا سے ۶ سنہ جلوس اکبر شاہی کے حالات پر مشتمل ہے، یہ حصہ دفتر دوم کا نامکمل حصہ ہے، جو ۳۴ سنہ جلوس شاہ عالم بادشاہ کے عہد حکومت کا مکتوبہ ہے، کاغذ سفید اور خط شکستہ ہے، اس کے کاتب سدھارائے ہیں، جنھوں نے مشق کے طور پر یہ نسخہ لکھا تھا، اس لیے مکمل بھی نہیں کرسکے، بہت ممکن ہے کہ انھوں نے کسی ایسے نسخے سے نقل کیا ہو جو عہد جہانگیری یا شاہجہانی کا مکتوبہ ہو، شاہ عالم کے دور میں ایسے نسخوں کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہے، اس نسخہ کے علاوہ دفتر سوم کا ایک اور قلمی نسخہ بھی ہے جو نہایت دیدہ زیب مطلا، مذہب اور اعلیٰ خطاطی کا نمونہ ہے، اس اعتبار سے یہ نسخہ اور بھی اہم ہے کہ یہ نواب کلب علی خاں بہادر (متوفی ۱۳۰۴ھ م ۱۸۸۷ء) والی ریاست رامپور کے حکم سے لکھا گیا، جو اب ٹونک کے کتب خانہ میں ہے، نواب صاحب مرحوم کی مہر نواب کلب علی خاں بہادر، ثبت ہے، اس کے ساتھ ایک عبارت بھی مرقوم ہے، یہ نسخہ ۱۲۷۲ھ م ۱۸۵۵ء میں محمد مرتضیٰ خطاط نے ۲۵ رمضان المبارک کو مکمل کیا، نسخہ نہایت عمدہ اور گوناگوں صنعتوں کی وجہ سے بہت اہم اور کاغذ سفید خوشخط مجدول طلائی شنگرفی، آسمانی، لوح کتاب مطلا، مینا کار آسمانی اور فیروزی ہے، شروع کے دو صفحات بین السطور مطلا ہیں، پوری کتاب کا حاشیہ بھی گلکار اور مطلی ہے، جلد بھی بہت خوبصورت اور نفیس بنی ہوئی ہے،

جہانگیر نامہ یا تزک جہانگیری[1] - یہ کتاب سلیم شاہی، تزک جہانگیری، تاریخ سلیمی واقعات جہانگیری مختلف ناموں سے موسوم ہے، لیکن اس کا اصل نام جہانگیر نامہ ہے، جس سے وہ ابتدا میں موسوم تھی، چنانچہ اصل تزک جہانگیری میں مرقوم ہے کہ جب بارہ سالہ سوانح کو

---

[1] ۱۳ سنہ جلوس میں جہانگیر نامہ سے تزک جہانگیری نام بدلا گیا، اسٹوری ص ۵۵۲

جہانگیر نے مجلد کرا کے اراکین سلطنت میں تقسیم کیا، اس وقت اس کا نام جہانگیر نامہ ہی تھا،[1] جہانگیر نامہ کے ابتدائی نو سالوں کا ترجمہ ارسکن نے انگریزی میں کیا تھا، جو برٹش میوزیم میں نمبر ۶۵۵۴ پر محفوظ ہے،[2] تزک جہانگیری کے تین مختلف نسخے ملتے ہیں، جن میں پہلے دو مستند ہیں اور ایک غیر مستند جو مبالغہ آمیز بیانات پر مشتمل ہے، پہلا نسخہ ۳ سنہ جلوس کا نوشتہ ہے جس کی ابتدائی عبارت یہ ہے:- "حمد بے غایت و شکر بے نہایت معبود را"۔ تیسرے مبالغہ آمیز نسخہ کی ابتدائی عبارت بھی یہی ہے، اول الذکر نسخہ خدابخش لائبریری میں ۱۰۲۰ھ م ۱۶۱۱ء کا نوشتہ ہے، انڈیا آفس میں ۱۰۹۴ھ م ۱۶۸۳ء کا اور برلن میں ۱۱۹۹ھ م ۱۷۸۴-۸۵ء کا نوشتہ ہے،[3] اس کا دوسرا نسخہ بھی مستند مانا جاتا ہے، جو "از عنایات بے غایت الٰہی" سے شروع ہوتا ہے، یہ سال جلوس اول سے شروع ہوکر سترھویں جلوس تک کے احوال پر مشتمل ہے، یہ وہی نسخہ ہے جسکو جہانگیر نے جہانگیر نامہ کے نام سے موسوم کرکے اپنے امرا میں تقسیم کیا تھا اس کے بعد سترھویں سال تک کے حالات خود اس نے قلمبند کیے، جو انیسویں سال جلوس کے ابتدا تک معتمد خاں کے ذریعہ شاہی نگرانی میں بڑھائے گئے، اسی نسخہ کو محمد شاہ کے زمانہ میں محمد ہادی کامور نے ترتیب دے کر ایک مقدمہ کا اضافہ کیا، اس میں جہانگیر کے جلوس سے پہلے کے حالات سے لیکر اخیر تک کے واقعات ہیں، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں وہ نسخہ جو جہانگیر نے مجلد کرا کے تقسیم کرایا تھا ابتک محفوظ ہے۔ اس نسخہ پر جہانگیر اور شاہجہاں کے دستخط ثبت ہیں، اس لیے بہت اہم مستند اور نایاب مانا جاتا ہے،[4] برٹش میوزیم میں بھی ایسا ہی ایک نسخہ محفوظ ہے، مگر اس میں کسی کے دستخط نہیں ہیں، صرف بارہ سال کے واقعات جہانگیر نامہ کے نام سے ہیں،[5] انڈیا آفس

---

[1] ریو جلد اول ص ۲۵۴ [2] ایضاً [3] اسٹوری ص ۵۵۱ [4] ملاحظہ کیجئے اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء [5] اسٹوری ص ۶۰-۵۵۹

لندن کے نسخہ میں انیسویں سال جلوس تک کے حالات ملتے ہیں۔[۱] تیسرا نسخہ جو مبالغہ آمیز ہے اور جس میں واقعات سن وار نہیں ہیں، تزک جہانگیری کے نام سے موسوم ہے، اس نسخہ کی ابتدا "حمد بے غایت و شکر بے نہایت" سے ہوتی ہے، اور اس عبارت سے پہلے کچھ اشعار بڑھائے گئے ہیں، مثلاً "اے نام تو سر دفتر اسرار وجود" یہ پہلے نسخہ پر اضافہ معلوم ہوتا ہے، ریو کا بیان ہے کہ یہ نسخہ شاہجہاں کے دور اول میں اس لیے لکھوایا گیا کہ اس کے ذریعہ ان واقعات کی جو اصل تزک میں جہانگیر نے شاہجہاں کے خلاف لکھے ہیں، پردہ پوشی ہو جائے۔ ان دونوں نسخوں کی اصلیت کا انکشاف سب سے پہلے ایس ڈی سی اور موریے[۲] نے کیا اور آخر میں پروفیسر ڈاوسن نے دونوں کے اقتباسات نقل کر کے پوری وضاحت اور تحقیق سے بتایا کہ اصلی تزک کونسی ہے، اور نقلی کونسی[۳]، اکثر نسخوں کے آخر میں ایک پند نامہ جہانگیر کے نام سے ملتا ہے، جس کو پرائس نے لندن اور کلکتہ سے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا تھا۔

یہ نسخے مختلف طریقوں سے شائع ہوئے ہیں، محمد ہادی والے نسخے کے کچھ حصے جے اینڈرسن نے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ۱۸۰۶ء میں شائع کیے، گولڈ ون نے تاریخ ہندوستان میں ان کو شامل کر کے ۱۷۸۸ء میں شائع کیا، لیکن مکمل نسخہ سرسید احمد خاں نے ۱۸۶۳-۶۴ء میں دوبارہ مرتب کر کے طبع کرایا، جو ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ میں طبع ہوا، انگریزی میں اس کا مکمل ترجمہ ڈی، ایچ لووے (D. H. Lowe) نے ۱۸۲۹ء میں شائع کیا، اور اے روجرس نے مقدمہ چھوڑ کر اصل کتاب کا دوسرا ترجمہ کیا جس کو ایچ بیوریج (H. Beveridge) نے ۱۹۰۹ء میں لندن سے دو جلدوں میں شائع کیا، ایلیٹ نے ان سب ترجموں پر نقد و تبصرہ

---

[۱] ایتھ جلد اول ص ۱۱۹ مخطوطہ نمبر ۳۰۵ [۲] Journal Dossvan's 1930 P. P. 359-430 [۳] ایلیٹ اور ڈاوسن جلد ششم ص ۲۵۱ تا ۳۹۱ تک

کیا ہے[۴]، ہمارے یہاں کا نسخہ ہادی کے مرتبہ نسخہ سے قدرے مختلف ہے، ابتدا میں وہی اشعار ہیں جو مبالغہ آمیز نسخہ کے ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے اشعار بھی ہیں، یہ نسخہ مطلا بین السطور اور لوح کتاب مطلا اور مینا کار اور حاشیہ طلائی اور گلکار ہے، اس میں جلوس اول ۱۰۱۴ھ م ۱۶۰۵ء کے حالات ہیں، ابتدا میں اکبر کے ذکر میں اس کے تخت شاہی کے حال میں جس پر بعد میں جہانگیر جلوہ افروز ہوا، لکھا ہے، کہ اس کی تیاری میں تین سو من سونا، دو کروڑ کے جواہرات اور پچاس من عنبر صرف ہوا تھا، اکبری تاج کی قیمت چار کروڑ تیس لاکھ (فی اشرفی تیس روپیہ کے حساب سے) بتائی گئی ہے، اس کے بارہ گوشوں میں بارہ ہیرے تھے، فی ہیرا ایک لاکھ اشرفی کی قیمت کا، موتی اور زمرد چار مثقال، ہر ایک کی قیمت ایک ایک لاکھ دو سو یاقوت جن کی قیمت بارہ لاکھ اس زمانہ میں تھی، جڑے ہوئے تھے، . . . . .

اسی طریقہ سے زنجیر عدل کے بارہ میں لکھا ہے کہ ایک سو چالیس گز لمبی تھی، اور اس کی تیاری میں ساٹھ من سونا صرف ہوا تھا، آگے چل کر اپنے بیٹوں کا ذکر کیا ہے، ان میں شہزادہ خرم کی بہت زیادہ تعریف کی ہے، پھر نور جہاں کی شادی، اس کے مہر اور تسبیح کا ذکر ہے:

"اورا (نور جہاں) بہ عقد خود آوردم وہشتاد لکھ اشرفی پنج مثقالی مہر او قرار دادم...... و تسبیح مروارید ی از چہل دانہ کہ ہر دانہ او بہ چہل ہزار روپیہ خریدہ بود ما بخشیدیم"،

اسی قسم کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ اکبر نے حکم دیا کہ آگرہ کے دونوں خزانے تولے جائیں اور کل رقم کی تعداد تخمیناً بتائی جائے، تزک کے بیان کے مطابق ایک ہزار آدمی چار سو ترازو سے پانچ ماہ تک شب و روز تولتے رہے، تب بھی صرف ایک خزانہ تولا جا سکا، شہزادہ خسرو کے جواہرات کے صندوق کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس میں دس کروڑ کے جواہرات تھے،

---

[۴] ایلیٹ اور ڈاوسن جلد ششم ص ۲۸۶ سے ۲۹۱ و ۳۹۲ سے ۳۹۹ تک

جو لڑائی میں کہیں ضائع ہو گئے، اسی قسم کے بہت سے مبالغہ آمیز واقعات ملتے ہیں جو نسخہ آبادی اور دوسرے نسخوں سے بیان کے تسلسل میں مطابقت نہیں کرتے، البتہ کہیں کہیں واقعات میں مطابقت ہے، اس نسخہ میں بھی وہی انانیت ہے، جو جہانگیر کے اصلی نسخوں میں ہے، البتہ یہ فرق ہے کہ اس کے واقعات سنہ وار نہیں ہیں، اور دونوں مذکورہ بالا نسخوں کے واقعات سنہ وار ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تزک شاہجہاں کے دور میں مرتب ہوئی ہوگی جو ہو سکتا ہے کہ خود شاہجہاں کی ایماء سے یا اس کے کسی معتمد امیر نے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لکھی ہو، اس نسخہ میں بھی کچھ پند و نصائح ہیں جو اکبر کی جانب منسوب اور جہانگیر کے زبان و قلم سے ادا کیے گئے ہیں، ان سب باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تزک دور شاہجہانی کی اختراع ہے، اس کا ان دونوں نسخوں سے کوئی واسطہ نہیں، لیکن اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس سے دور شاہجہانی کے ان حالات اور واقعات پر روشنی پڑتی ہے جو گو مبالغہ آمیز ہیں، لیکن کسی اور کتاب میں اس تفصیل سے نہیں ملتے،

تاریخ نادری: مصنفہ محمد مہدی استرآبادی، نادر شاہ کے عروج کے زمانہ سے لیکر اسکی موت ۱۱۶۰ھ م ۱۷۴۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اسکا فرانسیسی زبان میں Historied Nader shah کے نام سے ۱۷۷۰ء میں ترجمہ ہو چکا ہے، انگریزی ترجمہ بھی فاضل مترجم نے ۱۷۷۳ء میں لندن سے شائع کیا، اصل فارسی ایڈیشن تبریز، طہران اور بمبئی وغیرہ سے شائع ہو چکے ہیں،[1] مصنف کے بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نادر شاہ سے وابستہ تھا یا کسی اور بادشاہ سے اس نے کسی بادشاہ کا نام مقدمہ میں نہیں لکھا ہے، مگر ریو کے بیان کے مطابق خود مہدی کے بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نادر شاہ سے متعلق تھا، چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ جب نادر شاہ ۱۱۴۶ھ م ۱۷۳۳ء

---

[1] ریو جلد اول ص ۱۹۲ مزید ملاحظہ کیجئے موری کیٹلاگ ص ۱۴۸، پیٹرس برگ ص ۲۹۳، میونخ ص ۸۱، کوپن ہیگن ص ۲۳

میں اصفہان جا رہا تھا، تو میں ان کے ہمراہ تھا، اور وہیں نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کے پیدا ہونے کی خبر جانفزا ملی تھی، دوسری جگہ جو انگریزی ترجمہ میں پوری طرح واضح نہیں ہے، لکھتا ہے کہ نادر شاہ کی زندگی کے آخری سال ۱۱۶۰ھ میں وہ شاہی حکم سے مصطفیٰ خاں شاملو کے ساتھ سلطان ترکی کے پاس بھیجا گیا تھا، سر ہر فورڈ برجس نے اپنی کتاب ہسٹری آف کاجر میں لکھا ہے کہ نادر شاہ سے اس کی ملاقات اور گفتگو کے وقت محمد مہدی نادر شاہ کے واقعہ نویس کی حیثیت سے موجود تھا،[1] مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کتاب کا صحیح نام کیا ہے، دوسرے نسخوں میں تاریخ جہاں کشائی نادری اور تاریخ نادری دونوں نام ملتے ہیں، زیر نظر نسخہ میں کوئی نام تحریر نہیں ہے، یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ مصنف کے ان الفاظ "کہ از چاکران حضور مرا بہ ضبط وقائع مامور است" سے کون سا بادشاہ مراد ہے، نادر شاہ یقینی طور پر مراد نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ چند ہی سطروں بعد نادر شاہ کو مرحوم لکھا گیا ہے،[2] مگر ریو کی یہ بحث بے سود سی ہے، کیونکہ مصنف نے ان واقعات کو نادر شاہ کے انتقال کے بعد ہی ترتیب دیا ہوگا، اس لیے مقدمہ میں از چاکران حضور سے حکمران وقت مراد ہوگا، جو شاہ رخ ہوگا یا حسن خاں سردار کاجراں کو حضور تحریر کیا گیا ہے، جس کی تعریف و توصیف میں کتاب ایک تتمہ بڑھایا گیا ہے، یہ تتمہ فرانسیسی ترجمہ میں بھی موجود ہے، نسخہ ہذا مطلا مینا کار اور مجدول شنگرفی اور ۱۲۳۱ھ م ۱۸۱۵ء کا نوشتہ ہے۔

سیر المتاخرین فارسی: اس کے مصنف غلام حسین بن ہدایت علی خان ابن سید علیم اللہ خاں بن فیض اللہ خاں، بن شیخ علیم اللہ خاں بنگال کے مشاہیر میں تھے۔

---

[1] ریو جلد اول ص ۱۹۳ [2] ایضاً

مصنف کے والد یعنی ہدایت علی خاں بہار کے نائب صوبیدار تھے، جو شاہ عالم کے زمانہ میں فوجدار اور میر بخشی ہو گئے تھے، ۱۱۸۹ھ م ۱۷۷۵ء میں ان کا انتقال ہوا، ان کے بعد مصنف غلام حسین کچھ عرصہ ان کی جگہ میر بخشی پھر انگریزی عہد میں مختلف عہدوں پر مامور رہے،

سیر المتاخرین ماہ صفر ۱۱۹۴ھ میں شروع اور رمضان المبارک ۱۱۹۵ھ میں مکمل ہوئی، بعد میں فاضل مورخ نے ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل کیا تھا، جس کو گورنر جنرل وارن ہسٹنگس کے نام سے منسوب کیا ہے، غلام حسین خاں نے مقدمہ میں یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ انھوں نے یہ مقدمہ ایک منشی کی تاریخ سے لیا ہے جو کورو پانڈو سے شروع ہو کر اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے، منشی نے فارسی اور سنسکرت ماخذوں سے اس کو مرتب کیا تھا، میں نے اس کے اغلاط اور غیر فصیح جملوں کو درست کر کے سیر المتاخرین کے مقدمہ کی حیثیت دیدی ہے، ریو کا بیان ہے کہ اس مقدمہ کا اشارہ خلاصۃ التواریخ مصنفہ سبحان رائے کی طرف ہے، اگر مقدمہ کو بھی سیر المتاخرین کا حصہ مان لیا جائے تو یہ ہندوستان کی مکمل تاریخ ہے، مگر اصل کتاب اورنگ زیب کے انتقال سے لیکر ۱۱۹۵ھ م ۱۷۹۰ء تک کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہے جس کے تین حصے ہیں، ان تینوں حصوں کا انگریزی ترجمہ ایک فرانسیسی نو مسلم حاجی مصطفی نے ۱۷۸۹ء میں شائع کیا تھا، اس میں مقدمہ شامل نہیں ہے، ۱۸۳۲ء میں برجیس نے اس کے بعض حصے دوبارہ لندن سے شائع کیے، اور بنگال سے متعلق حصہ کا ترجمہ جسے اسکاٹ نے اپنی کتاب تاریخ دکن میں شامل کیا،[1] اور مکمل تینوں جلدیں نولکشور پریس نے ۱۲۸۳ھ م ۱۸۶۶ء میں شائع کیں، اس کے دو ترجمہ اردو میں بھی ہوئے ہیں، ایک

---

[1] دیکھئے تاریخ دکن جلد دوم از جے اسکان صفحہ ۳۱۳ تا ۴۶۱

بخشی علی نے اقبال نامہ کے نام سے کیا ہے، دوسرا کسی شخص نے مرآۃ السلاطین کے نام سے کیا ہے، زیر بحث نسخہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، دوسری اور تیسری جلدیں ایک ہی میں ہیں اور ۱۲۳۲ھ م ۱۸۱۶ء کی مکتوبہ ہیں، اول سے ایک ورق ناقص ہے، صفحہ ۳۴۱ پر کتاب ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد ہی سے کاتب نے جلد اول کا حصہ شروع کر دیا ہے،

طبقات اکبر شاہی (فارسی):- طبقات اکبر شاہی یا طبقات اکبری یا تاریخ نظامی ہندوستان کی مکمل اور پہلی اہم بنیادی تاریخ ہے، بعد کے تمام مورخین نے اسی سے استفادہ کیا ہے، اس کے مصنف نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی ہرات کے مشہور خواجہ عبد اللہ انصاری کی اولاد میں ہیں، خواجہ مقیم ہروی بابر کے دیوان اور مرزا عسکری کے معتمد تھے، عہد اکبری میں پہلے گجرات کے بخشی اور بعد میں مغلیہ سلطنت کے بخشی مقرر ہوئے تھے، نظام الدین کے قول کے مطابق ان کو مطالعہ کا شوق ورثہ میں ملا تھا، اسلیے انھوں نے ابتدا ہی سے ایک ایسی مکمل تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا جو غزنی، غوری، پٹھان، مغل تمام خاندانوں کے حالات پر محیط ہو، یہ تاریخ امیر سبکتگین ۳۶۷ھ م ۹۷۷ء سے لیکر ۱۰۰۱ھ م ۱۵۹۲ء یعنی اکبر کے ستائیسویں جلوس تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، اس کتاب کے ماخذوں کی فاضل مورخ نے باقاعدہ فہرست دیدی ہے، مثلاً تاریخ یمینی زین الاخبار، روضۃ الصفا، تاج المآثر، طبقات ناصری، خزائن الفتوح، تغلق نامہ تاریخ فیروز شاہی، فتوحات فیروز شاہی، تاریخ مبارک شاہی، فتوح السلاطین تاریخ محمود شاہی، خرد مندی، طبقات محمود شاہی گجراتی، مآثر محمود شاہی گجراتی، تاریخ محمدی تاریخ بہادر شاہی، تاریخ بہمنی، تاریخ ناصر و مظفر شاہی، تاریخ مرزا حیدر، تاریخ کاشمیری تاریخ سندھ تاریخ بابری، تاریخ ابراہیم شاہی، واقعات مشتاقی، اور واقعات

ہمایوں شاہی، ان میں سے بعض کتابیں اب نایاب ہیں، ہر دور کے حالات اسی دور کی تاریخوں
تذکروں اور سوانح عمریوں سے تحریر کیے گئے ہیں، پوری تاریخ ایک مقدمہ، نو طبقات اور
ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں غزنویوں کی تاریخ ہے، طبقہ اول میں ہندوستان کے
سلاطین میں معز الدین محمد غوری سے لیکر ۱۰۰۲ھ تک کے واقعات ہیں، اس باب میں
دور اکبری کے امراء، مشائخ، ادباء، علماء، فضلاء، شعراء اور دوسرے مشاہیر اور
اصحاب کمال کے حالات ہیں، طبقات شاہجہانی کے مصنف محمد صادق نے عہد اکبری اور
جہانگیری کے حالات غالباً اسی سے لیے ہیں، اس لیے کہ عہد اکبری کے بیشتر مشاہیر عہد جہانگیری
میں بھی موجود تھے، طبقہ دوم دکن (۷۴۸ھ تا ۱۰۰۲ھ) کی تاریخ میں قطب شاہی عادل شاہی
بہمنی نظام الملکی حکمرانوں کا ذکر ہے، طبقہ سوم میں تاریخ گجرات (۹۸۰ھ م ۱۵۷۲ء تا ۷۹۳ھ
م ۱۳۹۰ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے، طبقہ چہارم میں تاریخ مالوہ ۸۰۹ھ سے ۹۷۷ھ
تک کی تاریخ ہے، طبقہ پنجم میں تاریخ بنگال (۷۴۱ھ م ۱۳۴۰ء سے ۹۸۴ھ سے م ۱۵۷۶ء
تک)، طبقہ ششم میں شرقی شاہان جونپور (۷۸۴ھ م ۱۳۸۶ء سے ۸۸۱ھ م [illegible] تک
طبقہ ہفتم میں ملوک کشمیر (۷۴۷ھ سے ۹۹۵ھ) تک، طبقہ ہشتم میں تاریخ سندھ (فتح عرب
۸۶ھ سے ۱۰۰۰ھ) تک اور طبقہ نہم میں ملتان کی (۸۴۷ھ م ۱۴۴۳ء سے ۹۳۲ھ
م ۱۵۲۵ء) تاریخ ہے، خاتمہ میں اکبری دور کے شہروں اور مواضعات کی تعداد ہے،
طبقات اکبرشاہی کا ذکر مورلے نے اپنے کیٹلاگ میں بالتفصیل کیا ہے[1]، ایلیٹ نے
اپنی کتاب میں اس کے بڑے حصہ کا ترجمہ کیا ہے[2]، اصل کتاب اور اس کا اردو ترجمہ دونوں

[1] مورلے کیٹلاگ ص ۵۸، اسٹیورٹ کیٹلاگ ص ۱۱ کوپن ہیگن ص ۲۱
[2] ایلیٹ اینڈ ڈاوسن جلد پنجم ص ۱۷۷ تا ۴۸۹

شائع ہوچکے ہیں لیکن ہمارے ادارہ کا نسخہ قدامت کے لحاظ سے بہت اہم ہے، یہ نسخہ دور
شاہجہانی کے اوائل کا لکھا ہوا ہے، کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے، لیکن ترقیمہ میں سنہ کتابت
۱۰۴۹ھ م ۱۶۳۹ء درج ہے، ہمارے علم میں ہندوستان میں اس سے قدیم دوسرا نسخہ
نہیں آیا، برٹش میوزیم کا بھی ایک نسخہ ۱۰۴۹ھ کا نوشتہ ہے، جو ہمارے نسخہ سے تقریباً ۸ ماہ
بعد کا ہے، دوسرا نسخہ دور عالمگیری کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے، اس پر سعید الدین خاں اور
دوسرے تحویلداروں کی مہریں ثبت ہیں، صحیح تاریخ کتابت اس نسخہ پر درج نہیں ہے[1]،

ظفرنامہ یزدی (فارسی):- تیمور کی جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں، ان میں ظفرنامہ شاہی
اور ظفرنامہ یزدی زیادہ اہم ہیں، ظفرنامہ شاہی دو حیثیتوں سے اہم ہے، ایک تو یہ کہ
تیمور کی زندگی میں اس کے حکم سے لکھا گیا ہے، اس لیے سب سے زیادہ مستند ہے، دوسرے
اس کی زبان بڑی سلیس ہے، اس کے بعد ظفرنامہ یزدی کا درجہ ہے، یہ ظفرنامہ تیمور کے
پوتے ابراہیم سلطان نے لکھوایا تھا، اور اس کی تحریر ادیبانہ ہے، اس کی تصنیف میں
مولانا یزدی نے اس دور کے تمام ماخذوں سے استفادہ کیا ہے، اس لیے یہ ظفرنامہ بھی
معتبر اور مستند ہے، اس میں تیمور کے سوانح اور اس کے محاربات و مہمات کا ذکر ہے،
جس سے اس دور کے سیاسی حالات اور مسلمانوں کے فن جنگ کا بھی اندازہ ہوتا ہے،
حبیب السیر کے بیان کے مطابق ظفرنامہ شیراز میں ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء میں مرتب ہوا، اسکا
تاریخی مادہ "صنف فی شیراز" ہے، جس سے سنہ تالیف ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء برآمد ہوتا ہے
سلطان ابراہیم کی مدح میں ایک مثنوی بھی شامل ہے،
پیٹس (Pe Te د) نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو ۱۷۲۲ء میں پیرس سے

[1] ریو جلد اول ص ۲۲۱

طبع ہوا، اسی سے ۱۸۲۳ء میں جے ڈربی نے انگریزی میں ترجمہ کیا،[۵] پیش نظر نسخہ کی ہمارے ادارہ میں دو نقلیں ہیں، ایک دور اکبری یعنی ۱۰۰۱ھ م ۱۵۹۲ء کی ہے، اس کی کتابت احمد بن شیخ مبارک فاروقی نے کی ہے، یہ نسخہ شاہی کتبخانوں کی زینت رہ چکا ہے، چنانچہ اس پر بہت سی مہریں اور عبارتیں تحریر ہیں، جو چٹ زدہ اور کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے محو ہو چکی ہیں، اول کے دو صفحے مجدول، طلائی اور لوح کتاب مطلی اور مزین ہیں، لیکن اس نسخہ میں مقدمہ نہیں ہے، دوسرے نسخہ کی کتابت ۱۲۳۳ھ م ۱۸۲۳ء میں ہوئی ہے مگر کاتب کا نام تحریر نہیں ہے، یہ نسخہ ابو المظفر بہادر کے کتب خانہ کے نسخہ سے مقابلہ شدہ ہے، ایک اور خطی نسخہ بھی ہے، جس میں نہ مقدمہ ہے اور نہ سنہ کتابت درج ہے، البتہ اس پر ایک مہر علی احمد از قلب احمد علی ثبت ہے،[۲] لیکن طرز کتابت سے متذکرہ نسخے سے قدیم معلوم ہوتا ہے۔

عالم آرائے عباسی (فارسی):۔ مصنفہ اسکندر بیگ، اس کے مقدمہ میں شجرۂ خاندان عباسیہ شیخ صفی الدین اور اس کے جانشین کے حالات ہیں، شاہ اسمٰعیل اور شاہ طہماسپ کی بھی تاریخ ہے صحیفہ اول میں شاہ عباس کی پیدائش، شاہ طہماسپ کی موت، اسمٰعیل مرزا اور سلطان محمد شاہ عباس کے سریر آرائے حکومت ہونے تک کے حالات ہیں، صحیفہ دوم میں شاہ عباس کی تخت نشینی اور اس کے ابتدائی تیس سالہ دور حکومت ۱۰۲۵ھ م ۱۶۱۶ء کے حالات و واقعات ہیں، مقصد ثانی میں ۱۰۲۶ھ م ۱۶۱۷-۱۶۱۶ء سے شاہ عباس کی موت ۱۰۳۸ھ م ۱۶۲۸ء تک کے حالات ہیں، نسخہ ہذا مطلی مذہب

[۵] ریو جلد اول ص ۱۲۳ [۲] علی احمد از قلب احمد علی ۱۲۹۶ھ، صاحبزادہ علی احمد خاں مرحوم بن احمد علی خاں رونق بن نواب امیر الدولہ بہادر جنت مکانی بانی ریاست ٹونک کا سجع ہے، علی احمد خاں مرحوم ٹونک کے شاہی خاندان کے چشم و چراغ اور ذی علم، ذی فہم، ادب نواز اور عالم دوست تھے۔

اور دیدہ زیب ہے، لوح کتاب بھی مزین، مینا کار اور مطلا ہے، ۴۸ سنہ جلوس کا مکتوبہ ہے، اس نسخہ میں صرف صحیفہ دوم ہے، صحیفہ اول اور مقصد ثانی نہیں ہے، کاتب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت نہیں لکھی ہے، اول صفحہ پر نواب وزیر الدولہ بہادر خلد مکانی اور نواب یمین الدولہ محمد علی خاں بہادر جنت مکانی والیان ریاست ٹونک کی مہریں ثبت ہیں، برٹش میوزیم کا نسخہ اس نسخہ سے زیادہ مکمل اور قدیم ہے، اس کا آخری حصہ ۱۰۶۷ھ م ۱۶۵۶ء کا نوشتہ ہے،[۵]

عالمگیر نامہ (فارسی):۔ مصنفہ منشی محمد کاظم بن محمد امین، اس میں اورنگزیب عالمگیر کے دس سالہ عہد حکومت کے سرکاری واقعات ہیں، عالمگیر کو محمد کاظم کا طرز تحریر بہت پسند تھا، اس لئے محمد کاظم سے یہ تاریخ مرتب کرائی تھی، یہ حالات اورنگ زیب کی اورنگ آباد سے روانگی ۱۰۶۸ھ سے لے کر ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، عالمگیر نامہ چھپ چکا ہے، ہمارے ادارہ کا نسخہ ۵ ذی الحجہ ۳ سنہ جلوس عالمگیری کا نوشتہ ہے، کاتب کا نام تحریر نہیں ہے۔

فرحۃ الناظرین معروف بہ سیر الاخیار (فارسی) } مولفہ محمد اسلم بن محمد حافظ عصمت اللہ قادری ۱۱۸۴ھ م ۱۷۷۰ء، شاہ عالم کے عہد میں لکھی گئی جس کا ذکر مقدمہ میں ہے، مصنف کا اصلی وطن لکھنؤ ہے، ۱۱۸۲ھ میں تصنیف کی ابتدا کی اور ۱۱۸۴ھ میں مکمل کر کے حکمران وقت شجاع الدولہ کے نام سے معنون کیا، یہ مختلف تاریخوں کی مستند اور اہم تلخیص ہے، جو عمومی تاریخ اسلام اور تاریخ ہند پر مشتمل ہے، مقدمہ میں ابتدائے آفرنیش کا حال ہے، مقالہ اول میں انبیائے کرام، حیات نبوی

[۵] ریو جلد اول ص ۲۶۵، ۱۸۹، مورلے ص ۱۳۳، دی آئی ج ۲ ص ۱۷۴ اور اسٹوریٹ کیٹلاگ ص …

آپ کے غزوات، خلفائے راشدین، ائمۂ عظام، فقہائے اربعہ کا حال ہے، دوسرے مقالہ میں ہندوستان کے مہاراجگان اور شاہان دہلی میں ابراہیم لودی کا حال ہے تیسرا مقالہ امیر تیمور سے لیکر شاہ عالم تک کے واقعات پر مشتمل ہے، خاتمہ میں ہندوستان کے جغرافیائی حالات، اور مصنف کے ہمعصر علما، مشائخ اور ہندوستان کے مشہور شہروں اور عجائبات کا تذکرہ ہے، پیش نظر نسخہ مصنف کے قریبی عہد یعنی ۱۱۹۹ھ کا نوشتہ ہے، اسکے اول صفحہ پر ایک مہر ثبت ہے، اور ایک جگہ چٹ لگی ہوئی ہے، جس پر تاریخ کتابت درج ہے، ممکن ہے تاریخ کتابت غلط ہو، پھر بھی یہ نسخہ اہم ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں بھی ہے، جو نامکمل ہے، اس میں اورنگزیب کے تخت نشین ہونے کے بعد کے واقعات غائب ہیں، نسخہ ہذا کی جلد اول میں متن کے ساتھ ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہے[1]

---

[1] ریو جلد اول ص ۱۳۱

مقالات سلیمان حصہ اول

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اہم تاریخی مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر ارقام فرمائے، اور تحقیق اور موضوع سے متعلق نادر معلومات کی بہم رسانی کا حق ادا کر دیا، اس کا ہر مقالہ تاریخ کے طالبعلموں اور علما و محققین کے پڑھنے کے لائق ہے، یہ مجموعہ کل ایک ہزار چھپا ہے، اس کی خریداری میں عجلت فرمایئے ورنہ پھر شائقین کو دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت لعہ؍

منیجر

شوکت جنگ اور سراج الدولہ کی جنگ بلدیہ باڑی

(سوزنامہ کی روشنی میں)

از جناب اکمل یزدانی جامعی ایم، اے

نومبر ۱۹۶۷ء کے معارف میں راقم الحروف کا ایک مقالہ بعنوان "پورنیہ (بہار) کے دو مربیان علم، نواب صولت جنگ و شوکت جنگ" شائع ہوا تھا، جس میں راقم نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ پورنیہ کے یہ دونوں فوجدار نہ علم و ادب کے قدر دان ہی نہیں، مربی و سرپرست بھی تھے،

صولت جنگ (میرزا احمد سعید المخاطب بہ نواب سعید احمد خاں بہادر صولت جنگ) علی وردی خاں مہابت جنگ کا بھتیجا اور داماد تھا، اور سیف خاں پسر امیر خاں عمدۃ الملک عالمگیری (۱۷۲۲ء تا ۱۷۵۰ء) کے مرنے پر پورنیہ کا فوجدار ہوا تھا[1]، اور شوکت جنگ اس کا بیٹا تھا، اور اپنے باپ کے مرنے پر ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں پورنیہ کی فوجداری پر مامور ہوا تھا[2]، علی وردی خاں مہابت جنگ نے جو اس کا نانا تھا، سارا پورنیہ اس کو جاگیر میں دیدیا تھا، ۹ رجب ۱۱۶۹ھ کو جب مہابت جنگ مرگیا[3] اور سراج الدولہ اس کا دوسرا ناتی مسند نشین ہوا تو اس نے شوکت جنگ کو اپنی راہ سے ہٹا کر پورے پورنیہ پر اپنا تسلط جمانا چاہا اور اس کے لیے کوشش بھی شروع کر دیں، اس نے اپنے ایک خیر خواہ رائے اس بہاری

---

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۵۴ [3] ریاض السلاطین ص ۳۶۲

پسر راجہ جانکی رام کو بزنگر دگوند دادہ کے پرگنے عطا کر کے شوکت جنگ کی نقل و حرکت پر مامور کیا
اور شوکت جنگ کو اطلاع بھجوا دی، شوکت جنگ یہ دیکھ کر سخت چراغ پا ہوا، اور چونکہ وہ بھی
علی وردی خاں مہابت جنگ کا نواسہ تھا، اور پورنیہ اس کی جاگیر تھی، مزید براں
اس کو بنگالہ، بہار و اڑیسہ کی صوبیداری کی سند بھی دلی سے حاصل ہو چکی تھی، وہ کسی طرح تیار نہ ہوا
بلکہ سراج الدولہ کے فرستادوں کے ساتھ بڑی بے عزتی کا برتاؤ کیا، اور اس کو کہلا بھیجا کہ چونکہ
بنگالہ و بہار و اڑیسہ کی سند مجھے دلی سے حاصل ہو چکی ہے، لہذا تم خود اپنے لیے کوئی جگہ تجویز
کر کے مجھ سے اس کی سند طلب کرو اور دار الامارت کے خزانے و اسباب میرے حوالے کر دو
ورنہ انتظار کرو کہ ہمارا ایک پاؤں رکاب میں ہے[1]، یہ سنکر سراج الدولہ کا خون کھولنے لگا
اور بلدیہ باڑی (پورنیہ) میں جو منہاری اور نواب گنج کے بیچ میں واقع ہے، اور فوجی نقطۂ نظر
سے اس زمانہ میں بڑا محفوظ مقام سمجھا جاتا تھا، سراج الدولہ اور شوکت جنگ کی فوجوں کے
درمیان جنگ ہوئی، بالآخر تھوڑی سی جنگ کے بعد ۱۶ اکتوبر ۱۷۵۶ء کو شوکت جنگ مارا گیا،[2]
اور پورنیہ بستی میں مدفون ہوا،[3]

زیر نظر مقالہ میں جو سورنامہ کے اشعار پیش کئے جا رہے ہیں، وہ اسی جنگ سے متعلق ہیں
اس میں سراج الدولہ اور شوکت جنگ کے مابین جنگ کی اچھی نقشہ کشی کی گئی ہے۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مخدومی جناب پروفیسر سید حسن عسکری صاحب آنریری
جوائنٹ ڈائرکٹر جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ اور جناب قیام الدین صاحب ریسرچ فیلو جیسوال
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کو اس سورنامہ کے دو اوراق بھاگلپور میں جناب شمس الہدیٰ خاں صاحب
ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کے دولت کدہ پر پرانی کتابوں کی تلاش کے دوران میں دستیاب ہوئے تھے،

---

۱ سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۹۰، ۲ ایس سی ہل، بنگال ۵۷-۱۷۵۶ء میں (اسی دی آئی دوم ۵۳
۳ مخطوطہ منظوم نامہ کرم علی خاں ورق ۵۵

اوپر راقم الحروف کو مرحوم و مغفور جناب فصیح الدین بلخی عظیم آبادی مولف تاریخ مگدھ نے
از راہ عنایت اس کی نقل عنایت فرمائی تھی، اور حکم دیا تھا کہ تاریخ کی روشنی میں سورنامہ پر
کچھ لکھوں، راقم ان تمام حضرات کا شکر گذار ہے اور سورنامہ کو اس کے تاریخی پس منظر کے
ساتھ قدرے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ قارئین کرام کو اس کے سمجھنے میں سہولت اور
پڑھنے میں دلچسپی ہو۔

"سورنامہ شوکت جنگ بہادر" کے یہ اوراق ۲۹ اشعار پر مشتمل ہیں، زبان اس وقت
کی مروجہ ہندوستانی ہے، طرز آلھا اودل کا سا اختیار کیا گیا ہے، ساتھ ہی ساتھ شاعر کی
زبان پر مختلف علاقائی زبانوں کا بھی اثر ہے، سورنامہ مذکور میں طرفین کے اکثر و بیشتر سرداروں
اور بہادروں کے نام ہیں، جو جنگ میں شریک تھے، اور جن کا تاریخ میں بھی تذکرہ ہے۔

جنگ کا آغاز ۱۲ محرم الحرام ۱۱۷۰ھ کو ہوا[1]، سراج الدولہ نے عظیم آباد سے راجہ
رام نرائن موزوں گورنر بہار کو طلب کر لیا تھا اور اس کی معیت میں راجہ سندر سنگھ، پہلوان سنگھ
اس کا بھائی سونہر سنگھ بھی اپنی فوجوں کے ساتھ تھے، اس کے علاوہ محمد جعفر خاں، دوست محمد خاں
میر محمد کاظم خاں، دلیر خاں، اصالت خاں ولد عمر خاں اور شیخ دین محمد، سراج الدولہ کی
فوج کے قابل ذکر سردار تھے،

سراج الدولہ کی فوجیں شوکت جنگ کی فوجوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھیں،
اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا، ایک حصہ کی قیادت راجہ موہن لال دیوان قدیم
کو دے کر گنگا پار بھیج دیا تھا، کہ براہ بسنت پور گولہ اور حیات پور گولہ اور عمدہ شوکت جنگ
کے مقابلے میں آئے، دوسرے حصے کی قیادت خود کر رہا تھا، اس کے پیچھے راجہ رام نرائن موزوں

---

۱ سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۲۸۰

کی فوجیں تھیں۔[1]

ادھر نواب شوکت جنگ کی طرف میمنہ میں شیام سندر بخشی، داروغہ توپ خانہ دستی
اور میسرہ میں شیخ جہاں یار تھا، اس کے علاوہ میر مردان علی پسر رستم علی خواہرزادہ خواجہ متعصم
برادر صمصام الدولہ خاں، بھٹن لال دیوان اور بعض دوسرے سرداران شوکت جنگ کی
ہراولی میں تھے۔ اس جنگ میں غلام حسین خاں طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین بھی موجود تھا،
جو شوکت جنگ کا مصاحب تھا، اور اس کے باپ صولت جنگ فوجدار پورنیہ کی مصاحبت
میں بھی پورنیہ میں تقریباً سات سال رہ چکا تھا، ان کے علاوہ شوکت جنگ کی فوج کے
قابل ذکر افراد یہ تھے:۔

نقی علی خاں، کارگذار خاں بخشی، شیخ عبدالرشید، میر سلطان خلیل، محمد سعید خاں،
پسر ابو تراب خاں تورانی، شیخ بہادر نارنولی، مرزائی خاں، عمر خاں جمعہ دار۔[2]

شوکت جنگ کی فوج نے نواب گنج میں سونرا ندی کے کنارے مورچال بندی
کی تھی، شوکت جنگ نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی مگر لشکروں کو اپنے سے دور
دور رکھا، اور کسی کو کوئی واضح حکم بھی نہیں دیا، ہر ایک اپنی اپنی جگہ کھڑا حکم کا منتظر رہا،

جب ۲۱ محرم سنہ کو دوپہر کے قریب سراج الدولہ کی فوجیں موہن لال کی
سرکردگی میں منہاری کے میدان میں آپہنچیں اور دونوں لشکروں کا درمیانی فاصلہ ابھی
ڈیڑھ کوس تھا، کہ شیام سندر شوکت جنگ کا داروغہ توپخانہ اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھ گیا اور
موہن لال کی فوج کے مقابل کھڑا ہوگیا، بیچ میں کوئی آڑ نہ تھی، موہن لال کی فوجیں گنگا کے
کنارے خیمہ زن تھیں، شیام سندر حکم کا منتظر تھا کہ ناگاہ موہن لال کے کیمپ سے گولے

[1] سیر المتاخرین ترجمہ اردو ج ۲ ص ۲۰۹ [2] ایضاً ص ۲۷۹ - ۲۸۰

چھوٹنے لگے۔ پہلے چھوٹی چھوٹی توپیں استعمال ہوئیں، اس لیے اس کے گولے جھیل میں گرنے
لگے، یہ دیکھ کر موہن لال نے بڑی توپیں منگوائیں اور اس کے گولے شوکت جنگ کے کیمپ
میں دھڑا دھڑ گرنے لگے، شوکت جنگ یہ دیکھ کر بہت بوکھلایا اور بدحواسی کے عالم میں اپنے
سواروں کے دستے کے سرداروں کو بہت برا بھلا کہنا شروع کیا، گالیاں سنکر شیخ جہاں یار،
کارگذار خاں، حبیب بیگ، محمد سعید خاں، شیخ سعد اللہ، میر سلطان خلیل وغیرہ سردار
چاروناچار آگے بڑھے، اور باوجودیکہ درمیان میں بہت بڑی جھیل حائل تھی اور سخت دلدل
تھی جس میں گھوڑوں کا آگے بڑھنا تقریباً محال تھا کسی طرح آگے بڑھتے رہے، سخت
دلدل میں گھوڑے بری طرح پھنس گئے، دوسری طرف سراج الدولہ کی فوجوں نے
گولوں کی بوچھاڑ شروع کردی، شوکت جنگ اپنی فوج سے بالکل بے پروا
بھنگ کے کش پر کش لگاتا رہا، اور رقص و سرود کی مجلس میں داد عیش دیتا رہا، حالات
جنگ کی نزاکت کے پیش نظر شوکت جنگ کے سرداروں نے اس کو نشہ
ہی کی حالت میں ہاتھی پر سوار کردیا، ایک نوکر اسے پکڑے رہا، اسی حالت میں
اس کا ہاتھی آگے بڑھا، اور غنیم سے تاب مقابلہ نہ لاکر شوکت جنگ مارا گیا۔[1]

غلام حسین خاں صاحب سیر المتاخرین کا بیان صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"میں اور چند اشخاص لڑائی میں شوکت جنگ کے ہمراہ تھے، ہم نے آپس میں مشورہ
کیا کہ رات کو ہم سب اکٹھے ہوکر شوکت جنگ کو طریقہ جنگ کی تبدیلی پر مجبور کریں گے اور
وہاں سے ایک ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر جہاں میرا چھوٹا بھائی نقی علی خاں وغیرہ تھے، جانے
کا ارادہ کیا، کچھ دور آگے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ جہاں یار، کارگذار خاں، حبیب بیگ

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲ ص ۲۸۱ - ۲۸۳

محمد سعید خاں، شیخ سعد اللہ، میر سلطان خلیل اور دیگر سرداران لشکر شوکت جنگ کے حقارت آمیز کلمات سے آزردہ ہوکر سراج الدولہ کی فوج پر دھاوا کر بیٹھے ہیں، اور نصف جھیل کو طے کرکے سراج الدولہ کی فوج کے قریب پہنچا ہی چاہتے ہیں، عنقریب جنگ کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے، نواب شوکت جنگ کی فوج کو اس خستہ حالی میں دیکھکر میں سخت گھبرا گیا اور نواب مذکور کو اس صورت حال سے باخبر کرنے کے لیے خیمہ گاہ کی طرف دوڑا، قریب پہنچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ نواب مذکور شراب کے نشے میں چور آشفتہ سر و دستار ہاتھی پر سوار ہے، اور ان کے ہم رکاب بھی جلد جلد تیار ہو رہے ہیں، نواب کی یہ حالت تھی کہ وہ کھلاہٹ میں دس پانچ قدم چلتا اور پھر فیلبان کو کھڑا ہونے کا حکم دے دیتا تھا، ادھر شوکت جنگ کی فوجیں دھڑا دھڑ موت کے گھاٹ اتر رہی تھیں، اس کی فوج کا یہ ابتر حال دیکھکر میر محمد خاں میر کاظم خاں، عمر خاں، دلیر خاں و اصالت خاں پسران عمر خاں اور شیخ دین محمد جو راجہ رام موہن کی فوج کے ہراول تھے، شوکت جنگ کی فوج کا کام تمام کرکے آگے بڑھے، شیخ عبدالرشید، محمد سعید خاں خاف ابوتراب خاں تورانی و میر سلطان خلیل نے بھی لڑ بھڑ کر جانیں دیں، نقی علی خاں اور حبیب بیگ زخمی ہوکر دوست محمد خاں اور میر محمد جعفر خاں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، اور شیخ جہاں یار صحیح و سالم اور کارگذار خاں زخمی ہوکر بھاگے، شیام سندر داروغۂ توپ خانہ دستی بھی زخمی ہوا، اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا[1]۔

کرم علی خاں مولف مظفر نامہ کا بیان

کرم علی خاں یکے از وابستگان علی وردی خاں مہابت جنگ صاحب مظفر نامہ رقمطراز ہے، کہ "شیام سندر نے کچھ اس ڈھنگ سے لڑائی لڑی کہ دہ

[1] سیر المتاخرین اردو ترجمہ ج ۲

اپنے ساتھ دو ہاتھیوں پر لاد کر سونے اور چاندی کے چھلے لیتا آیا تھا، جب بندوق کی گولیوں کی بوچھار ہوتی اور کوئی سپاہی ہمت شکستہ ہوکر پیچھے ہٹتا نظر آتا تو اس پر فوراً ان چھلوں کی بارش کی جاتی تھی[1]"،

آخر کار جب میمنہ شیام سندر اور میسرہ جہاں یار سے خالی ہوگیا اور مردان علی اور مٹھن لال اور بعض دوسرے سرداران فوج مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ کھڑے ہوئے، جبارت خاں برادر شوکت جنگ بھاگ گیا، شوکت جنگ کا دوسرا بھائی مرزائی خاں بھی زنبورک سے گھائل ہوگیا تو شوکت جنگ آگے بڑھا، اور دوست محمد خاں کے مقابلے میں صرف چھ سات سوار لیکر لڑنے لگا، آخر کار بائیں ابرو پر گولی لگی اور اس کا کام تمام ہوگیا،

بعضے کہتے ہیں کہ شوکت جنگ کی موت اس وقت ہوئی جب کہ وہ سراج الدولہ کی فوج پر حملہ آور تھا، جس میں سراج الدولہ خود شریک تھا، مگر بعض مورخین کا بیان ہے کہ سراج الدولہ بذات خود اس جنگ میں شریک نہیں تھے بلکہ میر پسر میر جعفر کو اپنا لباس پہنا کر غنیم کو فریب دینے کیلئے بھیجدیا اور خود ایک منزل دور تھا،

کرم علی خاں مولف مظفر نامہ کا بیان ہے کہ شوکت جنگ کے سر پیچ مینی اور دستار زعفرانی کو جو اس کے زیر سر تھا، لوگوں نے سراج الدولہ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا، جو میدان کارزار سے ایک منزل دور تھا[2]،

شوکت جنگ کے قتل کے بعد بھی جنگ جاری رہی اور شیخ بہادر نارنولی قدیم وفادار شوکت جنگ نے جس کو زخمی ہو جانے کی وجہ سے مورچال میں لاکر ڈال دیا گیا تھا جب شوکت جنگ کو مردہ پڑا دیکھا تو بے قابو ہوگیا، اور دو سو سواروں کو لے کر مورچال

[1] مخطوطہ مظفر نامہ کرم علی خاں ورق ۵۵ [2] غلام حسین خاں صاحب سیر المتاخرین نے کسی کے اٹھانے کا ذکر تو کیا ہے مگر ہدیہ پیش کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے، ہو سکتا ہو کہ وہی صحیح ہو کیونکہ شوکت جنگ کے قتل کے فوراً ہی بعد غلام حسین گھر کو واپس ہو گئے (پورنیہ چل دیے تھے)۔ اکمل یزدانی)

ے میدان جنگ کی طرف بھاگا، لیکن جب اس کے سوار بھاگ کھڑے ہوئے اور وہ بے دست و پا ہوگیا تو بے عزتی سے مرنے کی بجائے خود کو ہاتھی پر سے گرا دیا[1]،

بعض بیانات کے مطابق سراج الدولہ کے ۵ ہزار سپاہی اس جنگ میں کام آئے گو شوکت جنگ کے سرداران لشکر نے کافی پامردی اور دلیری دکھائی، مگر شوکت جنگ کی نادانی، تند خوئی، درشت فراجی اور بے جا پندار کی وجہ سے اسے نہ صرف سلطنت بلکہ جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا،

سوز نامہ شوکت جنگ بہادر:۔

شوکت جنگ لڑنے کو چلا منہاری کے میدان

ہرول ہوئے شیخ جہاں[2] تسکے پیچھے سندر جاں[3] — تسکے پیچھے میداں رشیدا[4] ور لائے نئی نشاں
شیخ بہادر نارنولی[5]، قدرت اللہ[6] بیرم خاں — تسکے پیچھے میر شرف الدین[7] سنبر برقی ہو نشان
دوسرے بازو شیخ سعد اللہ حبیب یکہ جواں[8] — تسکے پیچھے سیتارام ماد الت شمشیر خاں
تسکے آگے سلطان خلیل[9] اور امین خاں جانباز خاں[10] — تسکے پیچھے بھورمل او رنجنی آگے ہاتھی میر مرداں[11]
ہر بکہ او بھوانی سنگھ، شیر خاں[12]، منسارام — لوہا سنگھ[13] کا پیارا تس کے پیچھے بادل خاں

[1] مخطوطہ مظفر نامہ ورق ۵۵ تا ۶۴

[2] شیخ جہاں یار، شوکت جنگ کا تجربہ کار فوجی سردار [3] سیام سندر بخشی داروغہ توپخانہ دستی (شوکت جنگ)

[4] عبد الرشید نواسہ شیخ جہاں یار [5] قدیم وفادار، و نمکخوار شوکت جنگ

[6] داماد شیخ جہاں یار [7] غالباً سیف الدین محمد خاں نواسہ آقا عظیما قائم مقام علی ہزاری

[8] مہابت جنگ کا قدیم ملازم جو سراج الدولہ کے عتاب سے خائف ہو کر شوکت جنگ کے ملازموں میں شامل ہو گیا تھا،

[9] میر سلطان خلیل خاں تیر انداز شوکت جنگ [10] جانباز بیگ خاں [11] میر مردان علی ولد رستم علی خواہر زادہ خواجہ معتصم

[12] مراد شیر خاں (ریاض السلاطین ۳۷۸) [13] لوہا سنگھ ہزاری، سردار شوکت جنگ،

تسکے پیچھے مرزائی[1] کا ہاتھی بائیں ہاتھی ہادی خاں — تسکے پیچھے نواب[2] جان کا ہاتھی ماہی مراتب لیے نشان
کلی تماں تن زیب کا سر باندھو سوہا بیٹھا خاں — سبز ہودے اوپر بیٹھا جوں سوبھے چاند پورنماں

ادھر کے ہرول جعفر[3] تس کے پیچھے عمر خاں[4] — تسکے بائیں رام نرائن[5] کا ہاتھی ماہی مراتب لیے نشان
تسکے دہنے راجہ بہادر محکم سنگھ اور رحم خاں — تسکے پیچھے رامجی بیٹا اور دوست محمد یکہ خاں
بھر دیں کے اوپر فتو جاں ہو لڑائی کے مہمان — سیام سندر نے توپیں ڈاکا بیچ منہاری کے میداں
پہلے چھوٹی چھوٹی توپیں تب توں چھوٹی بڑی کماں — گولی تیر تب چھوٹن لاگے لاگے جھوش اور کمان
گولی برسی بوند ساون تروار چلی گھماسان — میاں رشیدا تب کھیت ہوں کو دا اڑیا جا جوں سورماں
تسکے پیچھے قدرت اللہ دی بھی کر دی رن کی باہنہ — بیٹے کے غم میں جان دیا کیا زندگی اشن جہان
شیخ بہادر اوڈ گیا اوڈ گئے کیسے کیسے جواں — سلطان خلیل توں چنچل ہوا بیٹھ دیا جانباز خاں
جانباز خاں کے بیٹھ دیے رم کئے سامنے جہاں — شوکت جنگ تب یوں کے بولا کتنا نمک نہ پایا خاں
گھوڑا روپیوں خلعت دیوں تو دل دیوں ہر جواں — مرشد آباد کا لوٹ بخشا دیوں ہاتھی اور نشان
اٹھی ماہی بھائی جان کا لے چلو مجھے اوس میداں — شوکت جنگ نے یوں کہا سوں بات میر فیلبان
پہلے ہاتھی نواب نے ہو لاتب ہولیں سپہ سراں — برابر پہنچا دوست محمد پوچھا کہاں مرا بھائی جان
دوست محمد یوں کر بولا نواب میرا کہا مان — پہلے میل کے ہم سوں جاؤ تب یوں پاؤ بھائی جان
شوکت جنگ تب یوں کر بولا مو موٹے دوست محمد خاں — موڑی باایں کو جبہ پہلن جوں دیکھئے او بھائی جاں
تیر کمان تب ہاتھ کر لیا کھینچ کر مارا کر نشان — دانتوں اوپر کھا ڈ بیٹھا، سری ڈوبا پیر پیکان

[1] مرزائی خاں برادر شوکت جنگ [2] نواب شوکت جنگ بہادر [3] میر محمد جعفر خاں

[4] سردار سراج الدولہ [5] راجہ رام نرائن موزوں صوبیدار عظیم آباد

تسکے آگے نالا آیا موت کا وہ تھا مکان — یک سلح میں زخمی ہوئے شیخ جہاں یار بادی خان

سعد اللہ زخمی ہوئے کھائی کھاؤ شمشیر خاں — میر شرف الدین کھیت آئے ہوئے زخمی تمام رجان

ہوا زخمی بھورمل او سیتا رام لوہا سنگھ کا جاں — لس کے پیچھے ہوتے خلقت نام کہاں تک کروں بیان

ہولو ہاتھی بابا میرا لے چلو مجھے اوس مکان — خدا ہی جاہے سو کرے لیکر چلو جہاں بھائی جان

عمر خاں نے زخم کھایا کٹ گئے کتنے جوان — دوست محمد نے ہاتھی ہولا ہولا ہاتھی رحم خان

بھائی جان کو دیکھے ماؤں ٹک کھول دو پگڑیاں — زنے صورت مجکو کہتا دیکھ نشان اب سو رہان

ہتلا ہتلا کر کے بیٹھا چلا لینے کون نشان — اس ضمن میں گولی بیٹھی ڈھول کیا شاہ جوان

خدا کا کہنا یوں کرتا تھا توں بندہ کا کیا ہے گمان — میاں حاضر نے چادر ڈہانکا پھیرا ہاتھی استھان

دار المصنفین کا سلسلۂ تاریخ ہند

اس سلسلہ میں ابتک بیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

		قیمت
۱۔	بزم مملوکیہ	معہ/
۲۔	ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام	" عہ/
۳۔	ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک	" عہ ۲۵ پیسے
۴۔	ہندوستان کے سلاطین، علما، ومشائخ کے تعلقات پر ایک نظر	" للعہ پیسے
۵۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے	" تعہ/
۶۔	ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں	عہ ۷۵ پیسے
۷۔	ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (حصہ اول)	صہ/
۸۔	مقالات سلیمان (تاریخی جلد اول)	لعہ پیسے

مینجر

پنجاب میں اردو غزل کی تاسیس

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ کا اردو کلام

از

جناب سید شریف احمد شرافت نوشاہی

حضرت شیخ الاسلام سید العارفین شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہ العزیز اکابر سادات علویہ اور اعاظم مشائخ قادریہ سے تھے، اسلام شاہ خلف شیر شاہ سوری کے عہد میں ۹۵۹ھ ۱۵۵۲ء میں بمقام گھوگانوالی (تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات) پیدا ہوئے،[1] حافظ قائم الدین قاری اور حافظ بڈھا قاری سے موضع جاگو تارڑ کے درس میں قرآن مجید حفظ کیا،[2] اور علوم معقول ومنقول سے فارغ التحصیل ہوئے،[3] حضرت سخی شاہ سلیمان نوری قادری بھلوالی[4] کے دست حق پرست پر بیعت کرکے

---

[1] مناقبات نوشاہی قلمی، مصنفہ شاہ عمر بخش نوشاہی رسول نگری متوفی ۱۳۱۱ھ، یہ کتاب صاحبزادہ محمد ظہور ولد سید چراغ علی صاحب نوشاہی کے پاس موجود ہے [2] تحقیقات چشتی، مصنفہ مولوی نور احمد چشتی لاہوری،

[3] رسالہ الاعجاز فارسی قلمی، مصنفہ مرزا احمد بیگ لاہوری، سال تصنیف ۱۱۰۸ھ، مملوکہ شرافت ۱۲

ثواقب المناقب فارسی قلمی، مصنفہ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی، متوفی ۱۱۴۸ھ سال تصنیف ۱۱۲۶ھ مملوکہ شرافت صداقت مرحوم مولانا غنیمت کنجاہی متوفی ۱۱۱۰ھ کے برادر زادہ اور شاگرد تھے ۱۲،

[4] حضرت سخی شاہ سلیمان قادری سلسلہ میں مخدوم شاہ معروف خوشابی متوفی ۹۸۷ھ کے مرید وخلیفہ تھے،

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۴ پر)

قال سے مرتبہ حال تک پہنچے اور مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھکر مخلوق خدا کی رہنمائی کی[۱]۔ اور بے شمار غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا، ہندوؤں کے ایک رہنما جوگی کو مسلمان کیا، اسکے ساتھ ہزاروں چیلے بھی زیور ایمان سے آراستہ ہوئے[۲]، ایک فرانسوی مستشرق گارساں دتاسی نے بھی آپ کی تبلیغ اسلام کا اعتراف کیا ہے[۳]۔

آپ نے ممالک اسلامی کی بھی سیر و سیاحت کی، سندھ میں کچھ عرصہ گذارا[۴]، قاہرہ کی جامع مسجد میں چالیس روز اعتکاف کیا، وہاں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا، اور اس علاقہ میں اکثر مشائخ سے ملاقاتیں کیں[۵]۔ اپنے والد ماجد حاجی الحرمین الشریفین سید علاء الدین حسین علوی کی طرح سات حج سے مشرف ہوئے[۶]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۳) ۹۸ سال کی عمر میں، ۲ رمضان ۱۰۲۱ھ کو انتقال کیا، (روضۃ الزکیہ مصنفہ سید حافظ الٰہی بخش نوشاہی ساہنپالوی متوفی ۱۲۵۳ھ) نسخہ قلمی مملوکہ شرافت نوشاہی۔ نوٹ:۔ خزینۃ الاصفیا، جلد اول، مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری متوفی ۱۳۰۷ھ میں شاہ سلیمان کی وفات ۱۰۶۵ھ میں لکھی ہے، جو خاندانی تذکروں اور مخطوطات کے خلاف ہے اسلئے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

[۱] تذکرہ نوشاہی فارسی قلمی، مصنفہ سید حافظ محمد حیات نوشاہی متوفی ۱۱۶۳ھ سال تصنیف ۱۱۴۶ھ۔ اسکے تین قلمی نسخے ایک قدیم، دو جدید راقم السطور شرافت نوشاہی کے کتب خانہ میں ہیں اور ایک نسخہ مکتوبہ ۱۳۱۹ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے جس کا نمبر ۶۱۸۸ ہے

[۲] مثنوی تحائف قدسیہ فارسی منظوم، مصنفہ شیخ پیر کمال لاہوری، سال تصنیف ۱۱۸۶ھ، مملوکہ شرافت نوشاہی،

[۳] خطبات گارساں دتاسی شائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) ۱۹۳۵ء خطبہ ۱۶ ص ۱۰۵ اصل عبارت یہ ہے:۔

"ایک شخص نے جس کا نام حاجی محمد ہے پنجاب میں دو لاکھ ہندوؤں کو زمرۂ اسلام میں شامل کیا۔"

[۴] تشریف الفقرا فارسی قلمی مصنفہ فقیر سید غلام محی الدین بخاری لاہوری، متوفی سنہ (مورث خاندان فقیر صاحبان لاہور) اس مخطوطہ کا ایک نسخہ فقیر سید مغیث الدین بخاری لاہوری کے اور ایک نسخہ راقم سطور شرافت نوشاہی کے کتب خانہ میں ہے۔

[۵] چہار بہار فارسی قلمی، ملفوظات حضرت نوشہ گنج بخش، مرتبہ شیخ ہاشم شاہ شہر بالوی سال تصنیف ۱۲۰۹ھ، اس مخطوطہ کے دو نسخے شرافت نوشاہی کے کتب خانہ میں ہیں، اور ایک نسخہ ماسٹر غلام نبی کے پاس دستن پورہ لاہور میں ہے۔

[۶] ہفت اولیا، مصنفہ شاہ شریف احمد مرامو سہروردی

حضرت نوشہ صاحب کے دو فرزند تھے:۔

(۱) سید حافظ محمد برخوردار بحر العشق[۱]، (۲) سید محمد ہاشم دریا دل[۲]،

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہ کی وفات شاہ جہاں کے عہد حکومت ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء کو ہوئی[۳]، آپ کا روضۂ مبارک دریائے چناب کے شمالی کنارے پر بمقام ساہن پال شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (مغربی پاکستان) زیارت گاہ خلائق ہے[۴]،

حضرت نوشہ صاحبؒ علوم تصوف و توحید کے علاوہ فارسی، اردو، ہندی اور پنجابی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے، اس مضمون میں آپ کے اردو کلام سے متعارف کرانا مقصود ہے، اہل قلم میں آجکل یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ اردو غزل گوئی میں اہل پنجاب میں کون سب سے مقدم ہے، بعض نے حضرت شاہ مراد خانپوری متوفی ۱۱۱۴ھ کو غزل کا موسس قرار دیا ہے، مگر کچھ محققین کو اس سے انکار ہے، اور ان سے پہلے غزل کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ محمد صدیق صاحب سالک نے رسالہ سیارہ ڈائجسٹ

---

[۱] سید حافظ محمد برخوردار بحر العشق خوشنویس، ولی کامل تھے، حضرت نوشہ صاحب کے بعد سجادہ نشین ہوئے، ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ کو وفات پائی (لطائف گل شاہی قلمی، مملوکہ شرافت نوشاہی،

[۲] سید محمد ہاشم دریا دل نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۹۲ھ کو اپنے بڑے بھائی صاحب سے ایک سال پہلے وفات پائی (لطائف گل شاہی قلمی) مملوکہ شرافت نوشاہی،

[۳] لطائف گل شاہی قلمی، مصنفہ سید گل محمد نوشاہی متوفی ۱۱۷۰ھ، مملوکہ شرافت نوشاہی،

نوٹ:۔ حضرت نوشہ صاحب کی تاریخ وفات صاحب خزینۃ الاصفیا نے ۱۱۰۳ھ لکھی ہے، طرفہ یہ کہ مفتی صاحب حوالہ تذکرہ نوشاہی کا دیتے ہیں، حالانکہ اس میں بتصریح لفظ "خاتم پاک" سے تاریخ برآمد کی گئی ہے جس سے ۱۰۶۴ اعداد ظاہر ہوتے ہیں، ایسے ہی سید حافظ محمد برخوردار اور سید محمد ہاشم کی تاریخیں بھی جو خزینۃ الاصفیاء میں ہیں، وہ صحیح نہیں

[۴] کنز الرحمۃ فارسی منظوم، مطبوعہ ۱۳۳۰ھ۔ عبرت نامہ فارسی جلد دوم، مصنفہ علی الدین لاہوری۔ چار باغ پنجاب فارسی مصنفہ گنیش داس بڈہرہ قانون گوئے گجرات،

مئی ۱۹۶۸ء میں "کلام شاہ مراد" مصنفہ شاہ مراد خانپوری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"مرتبین نے گفتنی میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ شاہ مراد اردو غزل کے صرف موسس ہی نہیں، بلکہ ریختہ کے پہلے مکمل شاعر ہیں، مجھے ڈر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ تحقیق کے ترازو میں آکر مات کھا جائے گا، کیونکہ کئی جانے پہچانے نام مثلاً حضرت نوشہ گنج بخش (۹۵۹ھ - ۱۰۶۴ھ)، شیخ خوب محمد چشتی (۹۸۶ھ[1] - ۱۰۰۰ھ) اور احمد دکنی (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) جو شاہ مراد پر زمانی فوقیت رکھتے ہیں، کسی محقق کے ہاتھوں غزل کی تاسیس کے بھی دعویدار ہو سکتے"

اس کے جواب میں انور بیگ اعوان صاحب روزنامہ نوائے وقت لاہور، جمعرات ۲۶ جون ۱۹۶۸ء میں بعنوان "صوفی شاعر شاہ مراد اردو غزل کے موسس ہیں"، لکھتے ہیں،

"سیارہ ڈائجسٹ بابت مئی ۱۹۶۸ء کے شمارے میں جناب صدیق سالک نے کلام شاہ مراد پر تبصرہ کے دوران اس دعوی پر اپنے ڈر کا اظہار کرتے ہوئے، لکھا ہے کہ [یہ دعوی تحقیق کے ترازو میں آکر مات کھا جائے گا، کیونکہ کئی جانے پہچانے نام مثلاً حضرت نوشہ گنج بخش (۹۵۹ھ - ۱۰۶۴ھ)، شیخ خوب محمد چشتی ۹۸۶ھ - ۱۰۰۰ھ) اور احمد دکنی (۹۸۸ھ - ۱۰۲۸ھ[2]) جو شاہ مراد پر فوقیت زمانی رکھتے ہیں، کسی محقق کے ہاتھوں غزل کی تاسیس کے بھی دعویدار ہو سکتے ہیں] اس ضمن میں گذارش ہو کہ دنیائے تحقیق میں کوئی بات بھی حرف آخر کی حیثیت کی مالک نہیں ہوا کرتی،

---

[1] یہ تاریخ قابل نظر ہے، کیونکہ اس حساب سے شیخ خوب محمد چشتی کی عمر صرف چودہ[14] سال ہوتی ہو

[2] جناب محمد صدیق سالک نے احمد دکنی کی وفات ۱۰۲۰ھ لکھی ہے، مگر انور بیگ صاحب نے اسی کا حوالہ دیتے ہیں اس کو ۱۰۲۸ھ بنا دیا ہے۔ شرافت نوشاہی

انسانی تحقیق کی عرق ریزی اور علم کی دیدہ وری نت نئے گوشے بے نقاب کرتی رہتی ہے، لیکن تادم تحریر جو مواد ہمارے پیش نظر ہے، اس کی بنا پر اس دعویٰ کو جھٹلانا سردست کافی مشکل نظر آرہا ہے، جناب صدیق سالک نے حضرت نوشہ گنج بخش کے حالات زندگی پتہ نہیں کہاں پڑھے ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے محولہ بالا تبصرہ میں کسی ماخذ کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا، میرے سامنے اس وقت تذکرۃ الاولیاء[1] سوم جلد کے صفحہ ۷۰ - ۷۱ پر حضرت نوشہ گنج بخش کے حالات درج ہیں، ان کی رو سے آپ کا شاعر ہونا ثابت نہیں ہوتا، نیز اسی کتاب میں تذکرہ نوشاہی کے حوالے سے آپ کی تاریخ وفات بعہد عالمگیری ۱۱۰۳ھ دی ہوئی ہے، نہ ۱۰۶۴ھ[2]، جیسا کہ صدیق سالک نے لکھا ہے، بادشاہ مراد کی تاریخ وفات بحوالہ تحفۂ قادریہ[3] ۱۱۴۴ھ ہے، بنابریں ہر دو بزرگ قریباً ہمعصر ہیں"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ انور بیگ صاحب کے دعویٰ کا سارا دارو مدار

---

[1] اس کتاب کا صحیح نام تذکرہ اولیائے ہند ہے، جو مرزا احمد اختر کی تالیف ہے، دوسرے ایڈیشن میں اس کا نام تذکرہ اولیائے ہند و پاک لکھا گیا ہے، انور بیگ صاحب نے اسی کو تذکرۃ الاولیا لکھ دیا ہے، جو صحیح نہیں، تذکرۃ الاولیاء نام کی کتاب شیخ فریدالدین عطار متوفی ۶۲۶ھ کی تصنیف ہے، وہ تین جلدیں نہیں، صرف ایک ہی جلد ہے، اور اولیائے متقدمین کے حالات پر مشتمل ہے، اس میں حضرت نوشہ صاحب کے حالات کہاں۔ [2] جناب صدیق سالک نے ۱۰۶۴ھ لکھا ہے، مگر انور بیگ صاحب نے ان ہی کا حوالہ دے کر اس کو ۱۰۲۴ھ بنا دیا ہے۔ [3] انور بیگ صاحب نے تحفۂ قادریہ کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ کس کی تصنیف ہے، ایک مشہور کتاب تحفۂ قادریہ موجود ہے، جو شاہ ابوالمعالی لاہوری متوفی ۱۰۲۴ھ کی تصنیف ہے، اور وہ شاہ مراد سے سو سال پہلے کی ہے۔ شرافت نوشاہی

تذکرہ اولیائے ہند جلد سوم پر ہے، اور خاندانِ نوشاہی کے بنیادی تذکروں سے وہ ناواقف ہیں، اگر ان کو ان پر عبور ہوتا، تو وہ حضرت نوشہ گنج بخش کی شاعری سے انکار نہ کرتے، آپ کا کلام خاندانی مخطوطات میں بکثرت پایا جاتا ہے، جو اس زمانہ کے تمام اصناف سخن غزل، چھپیہ، چوپٹی، مانجھ، جھجوتا، سوٹیا وغیرہ پر مشتمل ہے، آپ کے منظوم رسالوں میں سے حق پرکاس، حکم پرکاس، ڈنکا توحید، سادہ کہانی، مرشدبان، مرشد پیا، مرشد پروان، وحدت پرکاس، وحدت نامہ، یادنامہ وغیرہ بیسیوں، سائل اردو زبان میں موجود ہیں،

جناب صدیق سالک کا یہ خیال کہ "حضرت نوشہ گنج بخش .... جو شاہ مراد پر زمانی فوقیت رکھتے ہیں، کسی محقق کے ہاتھوں غزل کی تاسیس کے بھی دعویدار ہوسکتے ہیں" بالکل صحیح و درست ہے، یہاں حضرت نوشہ گنج بخش کے کلام سے دو غزلیں لکھی جاتی ہیں:-

(۱)

ایک طالب مرشد بھی آیا — وہ طالب جس اور نہ بایا
ہاتھ باندھ یوں طالب بولا — بینتی کروں سچے بادشاہا
صفت نام کی مہر کر بولو — تسبیح ذکر کر دل بر گاہا
جب طالب مرشد سوں پوچھا — تب مرشد یوں نام صلاہا
للہ الاسماء الحسنیٰ — دخل الجنۃ من احصاہا
نام کی جاہ دے من اندر — اور جاہ پہ تیگا باہا

نام لیے سکھ پائے نوشہ
سوئی پاک مرشد سوں چاہا

(۲)

ہم سب تیرے بھکیاری حقا سب تیرے بھکیاری — تجھ داتے سوں نت نت مانگیں لیویں جو نر ناری

آدم کیا خلیفہ اپنا ششٹ سجدے موں ڈاری — سلیمان کوں دی بادشاہی دین و دنیا ساہی
موسیٰ کوں رن جیت دلایا دشمن کی کل گاری — یوسف کوں کھوہ سوں ڈھا بخشی تس نزاری
یونس کوں مچھلی سوں کاڈھا رچھپا کینی بھاری — ابراہیم چھٹے سوں کاڈھا آگ گئی پھلباری
احد کی فتح دی حضرت کوں اپنی بردمنھاری — بیر پیغمبر سبھے نوازے کرپا کینی بھاری

سن یہ عرض غریب نوازا اب نوشہ کی باری

یہ دونوں غزلیں کتاب الحقائق والانوار کے قلمی نسخے سے نقل کی گئی ہیں[1]

اس کے علاوہ انور بیگ صاحب نے حضرت نوشہ گنج بخش کا سنہ وفات بحوالہ تذکرۃ الاولیا، (اگرچہ یہ نام صحیح نہیں) ۱۱۳۰ھ لکھ کر آپ کو حضرت شاہ مراد صاحب متوفی ۱۱۱۴ھ کا معاصر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ خاندان نوشاہی کے تمام تذکرے مثلاً لطائف گلشاہی، تذکرہ نوشاہی، تحائف قدسیہ، کنز الرحمت، حقائق نوریہ، روضۃ الزکیہ، ثمرات الافکار، وسائط العلوم، بیاض قادری، مناقبات نوشاہی، کتاب الفوائد وغیرہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات ۱۰۶۴ھ میں لکھتے ہیں، اور یہ سب تذکرے میرے سامنے موجود ہیں، اور کنز الرحمت کے سوا سب مخطوطات کی صورت میں ہیں،

(۱) تذکرہ نوشاہی میں حضرت نوشہ صاحب کے سنہ وفات کے متعلق یہ شعر درج ہے:

زتاریخ وصال او دلم در جستجو چوں شد
بگوشِ دل ندا آمد کہ "خاتم پاک" بر خوانش
۱۰۶۴ھ

[1] حضرت نوشہ گنج بخش کا کلام متفرق بیاضوں سے جمع کرکے راقم سطور نے کتاب الحقائق والانوار فی علوم التوحید والاسرار" کے نام سے مرتب کیا ہے جس کے دو حصے ہیں، اردو کلام اور پنجابی کلام، یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔

(۲) کنز الرحمت میں ہے :-

چو شد رحلتِ آں شہِ نامدار ۔۔۔ ز تاریخِ شاں "فیضِ قدسی" شمار[1]
(۱۱۰۶ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات سے پورے پچاس سال بعد حضرت شاہ مراد صاحبؒ کی وفات ہوئی، اس لیے وہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے پوتوں حضرت سید سعد اللہ صاحبؒ متوفی ۱۱۲۵ھ وغیرہ کے ہم عصر شمار کیے جا سکتے ہیں، اور انور بیگ صاحب کا ان کو حضرت نوشاہِ عالیجاہ کا معاصر بتانا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شاہ مراد صاحبؒ سے ایک صدی بھی پہلے سے پنجاب میں حضرت نوشہ گنج بخش اردو زبان میں غزل کہتے تھے، اس لیے آپ ہی کو پنجاب میں اردو غزل کا موسس قرار دینا صحیح ہے۔

---

[1] حضرت نوشہ صاحبؒ کی وفات کے متعلق میں نے تحقیقی مضمون اپنی کتاب اذکار نوشاہیہ مطبوعہ استقلال پریس لاہور ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۳۳ پر لکھا ہے، اور جن لوگوں نے خزینۃ الاصفیا، کی اتباع میں نوشاہی بزرگوں کی تاریخیں لکھنے میں غلطی کی ہے، ان کتابوں اور مورخوں کی فہرست صفحہ ۳۹ پر دے دی ہے، جن میں تذکرہ اولیائے ہند مصنفہ مرزا اختر بھی شامل ہے، جس کو انور بیگ صاحب سند میں پیش کرتے ہیں۔

(شرافت نوشاہی)

ادبیات

غزل

از جناب محوی صدیقی لکھنوی

باز آئے اب نمائشِ زخمِ جگر سے ہم ۔۔۔ گھبرا گیا نہ منفعل ہوئے اس چشمِ تر سے ہم

بھولے کبھی نہ عظمتِ افسانۂ خلیل ۔۔۔ کھیلا کیے ہیں شعلۂ و برق و شرر سے ہم

تیری طرح اسے بھی ہے اپنی خودی پہ ناز ۔۔۔ تنگ آ گئے ہیں اپنے دلِ خود نگر سے ہم

شاید ابھی ہوں منتظرِ وقت حوصلے ۔۔۔ کیوں بدگماں ہوں طائرِ بے بال و پر سے ہم

دیکھا کہ سجدے بکھرے ہیں ہر نقشِ گام پر ۔۔۔ گذرے تھے ایک روز تری رہگذر سے ہم

پہنچا دیا کہاں سے کہاں ایک نگاہ نے ۔۔۔ کچھ کم نہیں ہیں آج کسی دیدہ ور سے ہم

لے آتی ہے یہ آپ کے گیسو کی خوشبوئیں ۔۔۔ رکھتے ہیں ساز باز نسیمِ سحر سے ہم

مل جائے اب تو رخصتِ نظارۂ جمال ۔۔۔ پیاسے بس اک نگاہ کے ہیں عمر بھر سے ہم

اب یہ ہجومِ ماہ وشاں ہے مزار پر ۔۔۔ یا چھپتے پھرتے تھے نگہِ ہر بشر سے ہم

خوبانِ شہر ہنستے ہیں کیوں دیکھ دیکھ کر ۔۔۔ آئے ہیں خاکِ پاکِ محبت نگر سے ہم

رگ رگ میں دوڑ جاتی ہے اک برقِ طور سی ۔۔۔ اپنی نظر ملاتے ہیں جب اس نظر سے ہم

اس کارواں کو آنچ نہ آئے خدا کرے ۔۔۔ رہبر سے راہرو ہیں خفا، ہمسفر سے ہم

محوی خدا کی دین ہے یہ دولتِ سخن
محفل سجاتے ہیں ان ہی لعل و گہر سے ہم

غزل

جناب بسنت کمار بسنتؔ

کبھی یک بیک تغافل کبھی التفات پیہم ۔۔۔ نہ سمجھ سکا زمانہ، تری طبع کا یہ عالم
ترے تابدار گیسو ہے گھٹا فلک پہ جیسے ۔۔۔ ہے عرق تری جبیں پر کہ ہے پنکھڑی پہ شبنم
مرے پاس رک نہ پائی کبھی تلخیٔ زمانہ ۔۔۔ رہی عشرتِ مقدر مرے پیش پیش ہر دم
یہ نظامِ میکدہ ہے یہ ہے رسمِ بزمِ ساقی ۔۔۔ کوئی مے نہ پھر پئے گا اٹھے میکدہ سے گر ہم
کبھی خوش تو اتنے خوش وہ نہیں نام بھی ستم کا ۔۔۔ کبھی ہیں خفا تو اتنے کہ ہے کائنات برہم
جو ہیں تیرے سرخ عارض وہ ہیں پنکھڑیاں کنول کی ۔۔۔ وہ کرن ہے مہرِ نو کی ہے جبیں پہ جو ترے خم
وہ شبیہ حسن پیکر، مہ و گل کا ایک منظر ۔۔۔ ہے خیال و خوابِ دلبر، کہ فسونِ کوئی مجسم
یہی تلخیِ زمانہ ہے خوشی کا اک فسانہ ۔۔۔ یہ ظلمتِ شبانہ ہے پیامِ صبحِ عالم
کبھی اک فسونِ عبرت، کبھی اک طلسمِ حیرت ۔۔۔ یہی کارہائے فطرت، یہی ہیں رموزِ عالم
وہ ملیں تو کیفِ عشرت، نہ ملیں تو رنجِ فرقت ۔۔۔ کبھی ہے سکونِ جنت، کبھی ہے غمِ جہنم
مرا کیا بنا سکیں گے یہ مصائبِ زمانہ ۔۔۔ مجھے کیا ڈرا سکیں گے کبھی حادثاتِ عالم

مرے سامنے خزاں کا نہ بسنتؔ بس چلا کچھ
گل و خار مسکرائے جو چمن میں آگئے ہم

باب التقریظ والانتقاد

مجموعۂ قوانین اسلام حصہ اول و دوم } مرتبہ جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ ضخامت بالترتیب ۳۴۰ - ۸۲۱ صفحات . کاغذ عمدہ، خوبصورت ٹائپ، قیمت مجلد عـلـ/ اور عـہ/ - پتہ :- ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی . طارق آباد راولپنڈی ، پاکستان .

یہ دونوں کتابیں عرصہ ہوا ریویو کے لیے آئی تھیں، خیال تھا کہ کسی صاحبِ نظر فقیہ سے ان پر ریویو کرایا جائے، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اس لیے ریویو میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، جس کے لیے ہم فاضل مؤلف سے معذرت خواہ ہیں،

انسانی تہذیب و معاشرہ میں ترقی کے ساتھ نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا قدرتی ہے، یہ ہمارے فقہاء و مجتہدین کا بڑا کارنامہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا حل نکالتے رہے، اور اپنے زمانہ کے تمام معاملات اور زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق اسلامی قوانین کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع و مرتب کر گئے، جس کی مثال اس دور کی قوموں میں نہیں مل سکتی، اور آج بھی بہت سے مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن جب سے مسلمانوں میں تفقہ و اجتہاد کا دروازہ بند ہوا، نئے مسائل کے حل کا دروازہ بھی بند ہو گیا اور ہمارے فقہاء پرانے دائرے میں محدود ہو کر رہ گئے،

اس دور کی ترقی کے اعتبار سے زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق اتنے کثیر اور پیچیدہ مسائل پیدا ہوگئے ہیں کہ ان کا حل اسلامی معاشرہ کی بقا کے لیے ضروری ہے، ورنہ ہماری نئی نسلیں اس سے دور ہوتی چلی جائیں گی، اس لیے فقہ کی جدید تدوین کا مسئلہ عرصہ سے اسلامی مفکرین کی نگاہ میں ہے، اور اسلامی حکومتوں نے اسی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے پرسنل لا کے مجموعے بھی مرتب کیے جن کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے، فقہ کی تدوین جدید کو تین قسم کے مسائل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،

(۱) ان مسائل کا حل جو بالکل نئے، اور اسلامی قوانین سے متصادم ہیں،

(۲) وہ مسائل جن کا حل فقہی مذاہب میں موجود ہے، لیکن تقلید شخصی نے ان کے حل میں دشواری پیدا کر دی ہے،

(۳) جدید طرز پر فقہی مسائل کی تدوین،

پہلے کام میں بڑی دشواریاں ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے، اسکو اسلامی حکومتیں وسیع النظر فقہاء اور جدید ماہرین قانون کی مدد سے انجام دے سکتی ہیں لیکن دشواری یہ ہے کہ سعودی عرب کے علاوہ تمام اسلامی حکومتوں کا نقطۂ نظر مغربی ہو گیا ہے، اس لیے وہ جدید مسائل اور اسلامی قوانین میں ممکن حد تک مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کے بجائے مغربی قوانین کو اختیار کر لیتی ہیں، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ان مسائل کا حل آجتک نہ ہو سکا، دوسرے دونوں کام نسبتہً آسان ہیں، اس لیے ٹرکی، مصر اور شام وغیرہ کی حکومتوں نے مسلمانوں کے پرسنل لا کے نئے مجموعے مرتب کیے، مگر ان کا نقطۂ نظر بھی عام طور سے مغربی ہے، اب پاکستان کے ادارۂ تحقیقات اسلامی نے اس اہم کام کو شروع کیا ہے، اور دس جلدوں میں اسلامی قوانین کو جدید طرز پر مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اس کی تین جلدیں ابتک

شائع ہو چکی ہیں، پہلی اور دوسری جلدیں ہمارے پیش نظر ہیں، پہلی جلد قانونِ ازدواج پر ہے اور دوسری طلاق پر،

فاضل مرتب پرانے، تجربہ کار وکیل ہیں، عربی سے بھی واقف ہیں، اور اسلامی قانون کے ماخذوں پر انکی پوری نظر ہے، اس لیے انھوں نے ازدواج اور طلاق کے جملہ مسائل اور انکے متعلقات پر قرآن مجید، حدیث وسنت، آثار صحابہ اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، اور ان کو مختلف ابواب میں دفعہ وار مرتب کیا ہے، ان کا نقطۂ نظر حنفی ہے، مگر ہر مسئلہ کے متعلق دوسرے ائمہ اور شیعوں کا مسلک بھی بیان کر دیا ہے، بعض مسائل جنہیں دوسرے ائمہ کا مسلک قوی نظر آیا ہے بحث و تحقیق کے بعد اس کو اختیار کیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں اسلامی ماخذوں سے باہر قدم نہیں نکالا ہے، البتہ بعض مسائل ہیں جن کی سند ان ماخذوں میں نہیں ہے اور وہ فقہا کی رائے اور ان کا اجتہاد ہے، دلیل کے ساتھ اختلاف کیا ہے، مگر اسکی مثالیں بہت کم ہیں، اسی کے ساتھ پاکستان کے رائج الوقت قانون میں جو چیزیں اسلامی قوانین کے خلاف ہیں ان کی پوری مخالفت اور ان میں ترمیم کی تجویز پیش کی ہے، درحقیقت یہ کام علماء کے کرنے کا تھا جو ایک وکیل کے ہاتھوں انجام پایا،

اتنے گوناگوں مسائل میں ہر مسئلہ میں مولف سے اتفاق ضروری نہیں ہے، مگر عام طور سے ان کا نقطۂ نظر اسلامی ہے، اور مجموعی حیثیت سے مجموعۂ قوانین اسلام کی ترتیب ان کا بڑا کارنامہ ہے، اور پاکستان میں فتاویٰ عالمگیری کے بعد اسلامی قوانین کی تدوین کی یہ دوسری کامیاب کوشش ہے، جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں، یہ مجموعہ وکلاء، مفتیوں اور فقہ کے اساتذہ اور طلبہ سب کے مطالعہ کے لائق ہے،

مطبوعات جدیدہ

رسالہ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان — از مولانا سید برکات احمد صاحب ترجمہ محمود احمد صاحب برکاتی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۸۰، قیمت ۔۔، پتہ اقبال اکاڈمی، کراچی

مولانا حکیم سید برکات احمد (م ۱۳۴۷ھ) معقولات کے مشہور امام مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ممتاز شاگرد اور خود بھی اس فن کے اساطین میں تھے، درس و تدریس کے ساتھ ان کی تصنیفی یادگاریں بھی ہیں، جن میں یہ عربی رسالہ بھی ہے، یہ پہلے ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا تھا، اور اب ان کے لائق نبیرہ محمود احمد برکاتی صاحب نے اس کا ترجمہ شائع کیا ہے، یہ رسالہ سات فصلوں میں منقسم اور زمان کی ماہیت، حقیقت، موہومیت، عدم ازلیت و ابدیت، حرکت و زمان میں عدم تلازم وغیرہ اہم فلسفیانہ و طبیعاتی مباحث پر مشتمل ہے، مترجم نے شروع میں اس موضوع کے متعلق تین مفید مضامین اور بھی شامل کر دیے ہیں، مصنف کو معقولات کی طرح کلام و تصوف سے بھی خاص ذوق تھا، اس لیے انھوں نے فلاسفہ و مشائیہ اور مسلمان حکماء میں بو علی سینا، نصیر الدین طوسی، میر باقر داماد، ملا صدر الدین شیرازی، ملا کمال الدین سہالوی اور امام رازی وغیرہ کے افکار کا ابطال کر کے متکلمین اور صوفیا کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے، ترجمہ اگرچہ سلیس ہے، لیکن رسالہ خالص علمی و فنی ہونے کی وجہ سے دقیق و غامض مباحث پر مشتمل ہے، اسلیے قدیم منطق و فلسفہ کے واقف کار ہی اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکتے ہیں۔

معروف و منکر — از مولانا سید جلال الدین صاحب عمری تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۶، مجلد قیمت ۔۔، پتہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی ۶

امر بالمعروف و نہی عن المنکر امت کے مہمات فرائض میں ہے، زیر نظر کتاب میں اس کے مختلف گوشوں مثلاً اس کا مفہوم، اس کی اہمیت، وجوب، وسعت، جامعیت، اس کے شرائط، وسائل و آداب، آمر و ناہی کے اوصاف و خصوصیات، تجدید دین، جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی ریاست اور دعوت الی الخیر کی مفصل وضاحت کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر امت کے فرائض منصبی میں ہے، اور اس کا دائرہ محض مسلمانوں تک محدود نہیں، بلکہ تمام بنی آدم کو معروف کا حکم اور منکر سے منع کیا جائے گا، اور اس کے اندر پورا دین، اس کے تمام مامورات اور منکرات و منہیات شامل ہیں، لیکن امر بالمعروف اور تواصی بالحق کی اصطلاحات گڈ مڈ کر دی گئی ہیں، اس لیے اول الذکر کو فرض کفایہ ماننے کے باوجود فرض عین بھی قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ تواصی بالحق ضرور ہر مسلمان کا فرض ہے، لیکن امر بالمعروف اصلاً امرائے امت کی ذمہ داری ہے، آیت ولتکن منکم امۃ الخ کے علاوہ اس کی تائید اس مشہور آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو اللہ و رسول اور اولوا الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس نوع کے اختلافی مسائل پر اتنی طویل بحث کی گئی ہے کہ اصل مسئلہ الجھ گیا ہے، اور مصنف کے نقطۂ نظر کا پتہ چلانا دشوار ہو گیا ہے، کہیں کہیں کسی خاص مزعومہ کو ثابت کرنے کے لیے تکلف سے بھی کام لیا گیا ہے، اس سے بیجا طوالت کے علاوہ مناظرانہ انداز بھی پیدا ہو گیا ہے، بعض آیتوں کی تعبیر میں بھی سہو ہوا ہے، تاہم کتاب محنت اور احتیاط سے لکھی گئی ہے، مصنف نے ہر بحث میں آیات و احادیث سے استدلال اور انکی وضاحت مفسرین، محدثین اور ائمۂ سلف کے

اقوال سے کی ہے۔

اقبال کے ابتدائی افکار

مرتبہ جناب ڈاکٹر عبدالحق شعبۂ اردو دہلی دہلی یونیورسٹی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۹۴، مجلد مع گرد پوش، قیمت غلہ پتہ: عبدالحق شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ڈاکٹر اقبال مرحوم پر بہت لکھا گیا ہے، لیکن اس نئی کتاب میں غالباً پہلی مرتبہ ان کے ابتدائی دور (انگلستان جانے سے پہلے یعنی ۱۹۰۵ء) کے منظومات اور تحریروں کا تجزیہ کرکے ان کے اس وقت کے افکار وخیالات کی وضاحت کی گئی ہے، یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے اور دوسرے باب میں فکر اقبال کے تدریجی ارتقاء کی سرگذشت اس کی پختگی کے مراحل، ڈاکٹر صاحب کے ابتدائی احول، تعلیم اور ان پر کیے جانے والے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، تیسرے باب میں ان افکار پر بحث کی گئی ہے جو ڈاکٹر صاحب کی شاعری کے شروع دور میں ملتے ہیں اور جن سے ان کی بیچینی، موجودہ حالت پر بے اطمینانی اور ان مقاصد کی تلاش وجستجو ظاہر ہوتی ہے، جو بعد میں ان کے فکر کا خاص محور رہے، چوتھے باب میں عرفان نفس کا ذکر ہے، جس نے آگے چل کر فلسفۂ خودی کی شکل اختیار کی، آخری باب میں ان کے ابتدائی دور کے ملی و وطنی تصورات کا جائزہ لینے کے بعد یہ دکھایا گیا ہے کہ ان میں بعد میں کیا تبدیلیاں ہوئیں، لیکن اس باب کی تمہید اتنی طویل ہوگئی ہے کہ وہ اقبال کے بجائے سرسید اور حالی کے قومی و وطنی تصورات کا مرقع معلوم ہوتی ہے، لائق مصنف نے اقبال کے سوانح نگاروں اور نقادوں پر جا بجا مناسب انداز میں تنقید بھی کی ہے لیکن انکی بعض رائیں محل نظر ہیں، مثلاً مولانا عبدالسلام ندوی اور خلیفہ عبدالحکیم (مرحومین) کی رایوں سے اختلاف کرتے ہوئے انھوں نے ڈاکٹر صاحب

کی نثری تصنیفات کی تعداد زیادہ بتائی ہے، حالانکہ ابتدائی دور کی تحریریں اور خطوط کے جو مجموعے اب شائع ہوئے ہیں وہ ان لوگوں کے پیش نظر نہ تھے، اور نہ درحقیقت انکی حیثیت مستقل تصنیفات کی ہے، صفحہ ۴۲ پر ڈاکٹر یوسف حسین خاں پر ان کا اعتراض غور وفکر کی کمی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، مگر کتاب بڑے سلیقہ اور محنت سے لکھی گئی ہے، اور ہر باب اقبالیات کے متعلق دلچسپ اور مفید مباحث پر مشتمل ہے، مصنف ابھی نوجوان ہیں لیکن تحریر پختہ، متوازن اور شائستہ اور انداز بیان سلیس، شگفتہ اور رواں ہے۔

اسلام کا نظام تقسیم دولت

مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ صفحات ۷۵، قیمت عہ پیسے، ناشر مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴۔ ہندوستان میں: مکتبۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔

یہ رسالہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک مقالہ ہے، جو انھوں نے ۱۹۶۸ء میں راولپنڈی کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے لیے لکھا تھا، اور اسی زمانہ میں رسالوں اور اخباروں میں شائع اور بہت مقبول ہوا تھا، اب افادۂ عام کے خیال سے یہ کتابی صورت میں کیا گیا ہے، اس میں اسلام کے نظام تقسیم دولت کی تشکیل کا ذکر ہے، اور اس ضمن میں اسلام میں معاش کی نوعیت، تقسیم دولت کے اصول ومقاصد، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے معاشی تصورات اور ان کے تقسیم دولت کے طریقوں کی وضاحت اور ان نظریات کا اسلامی نظریہ سے فرق واختلاف اور اسلامی نظریہ کی خوبیاں بھی بیان کی گئی ہیں، مولانا کی دوسری تحریروں کی طرح یہ رسالہ بھی نہایت پرمغز، جامع، مدلل اور عام فہم ہے، موجودہ زمانہ میں معاشی مسئلہ کی اہمیت کی بنا پر یہ رسالہ ہر شخص کے مطالعہ اور انگریزی میں ترجمہ کیے جانے کے لائق ہے۔

عکس و شخص ۔ از جناب عنوان چشتی تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۴۸ مع گرد پوش، قیمت صہ پتے: مکتبہ عارض ۳۸۳ مادی پور دہلی۔ (۲) مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

یہ جناب عنوان چشتی لکچرار اردو جامعہ ملیہ دہلی کے مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں دس اصحاب شعر و ادب کا سراپا اور ان کی شخصیت کے نمایاں خد و خال اجاگر کئے گئے ہیں، اور ان کے ادبی و فنی کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے، دو مضامین کے علاوہ جن میں پروفیسر مجیب کی ڈرامہ نگاری اور کوثر چاندپوری کی کتاب "جہانِ غالب" پر نقد و تبصرہ ہے، باقی مضامین میں غلام ربانی تاباں، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ابر احسن گنوری، شفا گوالیاری، ہمکش اکبر آبادی، تسکین قریشی، انور صابری اور نریش کمار شاد کی شاعری کی خصوصیات پر دلچسپ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے، اس حیثیت سے مصنف کی یہ کوشش قابلِ ستایش ہے کہ انھوں نے بعض ایسے شعراء کا انتخاب کیا ہے جنکو عموماً نظر انداز کر دیا گیا ہے، یا جنکی جانب بہت کم توجہ کی گئی ہے، بعض مضامین میں عقیدت کا رنگ غالب ہو گیا ہے، اور سراپا بیان کرنے میں غیر ضروری تشبیہ و استعارہ سے کام لیا گیا ہے، تاہم یہ مجموعہ دلچسپ اور مصنف کے خیالات متوازن اور تبصرے ناقدانہ ہیں۔

کاروان مدینہ ۔ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۳۰، قیمت سے، پتہ: مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ۔

یہ مجموعہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے دس مضامین اور خطبوں پر مشتمل ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور آپ کے پیغام پر عمل کی نہایت دردمندانہ اور پرسوز انداز میں دعوت دی گئی ہے، اس سلسلہ میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں اور نبوت کے عظیم الشان کارناموں، عطیات و احسانات اور اس کے عالمگیر نتائج و اثرات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اکثر مضامین مصنف کی عربی تقریروں کا اردو ترجمہ ہیں جو عرب نیشنلزم کی تحریک کے جواب میں کی گئی ہیں، ان میں دنیا کی موجودہ بے اطمینانی، مادیت اور خدا فراموشی کی لائی ہوئی تباہی اور ہلاکت کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کو تجویز کیا گیا ہے، آخر کے دو مضامین میں اردو و فارسی شعرا کے نعتیہ کلام کی مصنف نے اپنے شگفتہ اور موثر انداز میں تشریح کی ہے۔ ض

جلد ۱۰۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۹ء عدد ۶

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ